از نگاہِ خواجۂ بدر و حنینؓ
فقر سلطاں وارثِ جذبِ حسینؓ
اقبالؔ

سلطان ٹیپو شہیدؒ

ایک تاریخ ساز قائد شخصیت

بقلم

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی

(حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی قیمتی تحریر
اور مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کے مقدمہ و مضمون کے ساتھ)

ترتیب

سید محمود حسن حسنی ندوی

ناشر

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام۔ لکھنؤ

باردوم

۱۴۳۳ھ ـــــــ ۲۰۱۱ء

کمپوزنگ: .... حامد خوشنویس (مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، لکھنؤ)

طباعت: .... کاکوری آفسٹ پریس، لکھنؤ

قیمت: Rs.30/-

پوسٹ بکس نمبر 119 ندوۃ العلماء لکھنؤ

فہرست مضامین

ٹیپو کی وصیت

تو رہ نوردِ شوق ہے منزل نہ کر قبول
لیلیٰ بھی ہمنشیں ہو تو محمل نہ کر قبول

اے جوئے آب بڑھ کہ ہو دریائے تند و تیز
ساحل تجھے عطا ہو تو ساحل نہ کر قبول

کھویا نہ جا صنم کدۂ کائنات میں
محفل گداز گرمیٔ محفل نہ کر قبول

صبحِ ازل یہ مجھ سے کہا جبرئیل نے
جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول

باطل دوئی پسند ہے حق لاشریک ہے
شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول

(علامہ اقبالؒ)

مقدمہ

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على أشرف الأنبياء والمرسلين وخاتم النبيين محمد، وعلىٰ آله وأصحابه أجمعين۔

تیرھویں صدی ہجری کے آغاز میں اس برصغیر ہندو پاک میں ملک کی آزادی اور صلاح وبہتری کے لئے دو عظیم کوششیں انجام دی گئیں، ان میں سے ہر کوشش غیر معمولی نتائج حاصل کرنے کی توقعات کی حامل تھی لیکن ان کو وہ ظاہری کامیابی حاصل نہیں ہوسکی، جو مطلوب تھی، اور جس کی قوی توقع کی جاتی تھی، ان میں سے ایک سلطان ٹیپو شہید کی انگریزی استعمار کے بڑھتے ہوئے اثر کو ناکام بنانے کی کوشش تھی، اور دوسری کوشش حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی اصلاح وارشاد اور اس کے بعد جہادِ اسلامی کی مجددانہ کوشش تھی، ان دونوں

تحریکوں کی اپنی مطلوبہ کامیابی حاصل نہ کرسکنے کی توجیہ مختلف مؤرخین مختلف کرتے ہیں، اگرچہ ان کی اس سلسلہ میں توجیہات پیش کرنے میں ان کوششوں کے کرنے والوں کی ناقدری کا اظہار نہیں کیا جاتا، اور ان کے پرعزیمت اور مخلصانہ کارناموں کو معمولی نہیں قرار دیا جاتا، اور نہ اس میں کوئی ایسی کمی بتائی جاتی ہے جس سے ان کے متعلق ناقدری کا احساس ہو، اس بات پر تعجب ضرور کیا جاتا ہے کہ ایسی مخلصانہ کوششیں کیوں پوری طرح کامیاب نہیں ہوسکیں، اس میں عموماً قضاء وقدر کے فیصلہ کو سبب قرار دیا جاتا ہے کیونکہ عام حالات میں یہ دیکھا گیا ہے کہ دنیا کے نقشہ میں ان کوششوں سے کم تر کوششوں کو کامیابیاں حاصل ہوتی رہیں۔

قضاء وقدر کے فیصلے اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہی ہوتے ہیں، اور وہ بے سبب نہیں ہوتے، سلطان ٹیپو شہید کی قائدانہ اور حکیمانہ سیاست اور مدبرانہ نظم وانتظام کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں، تو ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ ایسی سوجھ بوجھ اور امتیازی خصوصیات کی شخصیت بہت کم سامنے آتی ہے، جو ایک طریقہ سے اپنے عہد سے آگے کے عہد کی سمجھ اور مدبرانہ عمل رکھنے والی شخصیت قرار دی جاسکتی ہے، ان کا سیاسی، عسکری، انتظامی، اور حسن تدبر کا کردار یہ بتاتا ہے کہ وہ اپنے آگے کے حالات کو بھی محسوس کرنے والے تھے، اور اپنے دشمن کے تدبر وسیاست

کو سامنے رکھتے ہوئے اس کے مقابلہ کے لئے اس سے بہتر تدابیر اختیار کرنے والے تھے، جن خطرات کو انہوں نے محسوس کیا تھا اور ان کے تدارک کے لئے دوسری ہم نوا معاصر طاقتوں کو متوجہ بھی کیا تھا ان خطرات کو بعد میں دنیا نے پیش آتے دیکھا، اس سلسلہ میں یہ خیال ہوتا ہے کہ اگر ان کو اپنے معاصر ہم نوا طاقتوں سے تعاون ملا ہوتا تو برصغیر کا وہ نقشہ نہ بنتا جو بنا، کیونکہ انہوں نے اپنی حد تک کوتاہی یا کمی نہیں کی، اور بہر حال یہ تو کہا ہی جاتا ہے کہ قضاء و قدر کی بات تھی کہ ان کا فکر و انتظام مطلوبہ نتیجہ نہیں پیدا کرسکا۔

لیکن ہم جب تاریخ کی عظیم شخصیتوں کی کوششوں اور کارناموں کو سامنے لاتے ہیں، تو بعض وقت ہم سے یہ بات اوجھل رہ جاتی ہے، کہ قائد اور اس کی قوم دو بظاہر الگ الگ حقیقتیں ہیں، لیکن دونوں حقیقتیں ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہیں، اور ان کے جڑے رہنے کی صورت میں ہی مطلوبہ نتائج سامنے آتے ہیں، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس میں قوم کے حالات کو اولیت کا درجہ حاصل ہوتا ہے، اگر قضاء و قدر کی نظر میں قوم اس کردار اور ان خصوصیات کی حامل نہیں ہوتی کہ جن پر قضا و قدر میں اس کی مدد اور نصرت کا فیصلہ ہو، تو اس قوم کا قائد مشکل ہی سے بڑی کامیابی حاصل کر پاتا ہے۔

ہم مسلمانوں کی طویل تاریخ میں اس خیال کی بنیاد پر عروج

وزوال کے حالات کی مختلف مثالیں اور نمونے واضح طور پر دیکھتے ہیں، اور مسلمانوں سے پہلے بھی دنیا کی سابقہ قوموں میں اس کی یہی صورت پاتے ہیں، اصلاح وارشاد کا کام سارے انبیاء نے کیا، لیکن مطلوبہ نتیجہ سب انبیاء کو نہیں حاصل ہوسکا، اس میں مختلف قوموں کا حال مختلف رہا، اور بعض وقت خود نبی کو اپنے پروردگار سے یہ کہنا پڑا کہ اب میری قوم ختم کردی جانے کی مستحق ہے، اس لئے کہ میری کوشش کا کوئی نتیجہ نکلنے والا نہیں، لیکن حضرت یونس علیہ السلام کی قوم میں یہ صلاحیت تھی کہ نبی کی کوشش اثر انداز ہو، چنانچہ وہ بروقت تائب ہونے اور اصلاح حال کرلینے کی وجہ سے تباہ ہونے سے محفوظ رہی، اس طرح ہمیں قوموں کی تاریخ میں مختلف مثالیں ملتی ہیں، جو قوم کا مجموعی کردار قضاء وقدر کو اپنے حق میں کرسکتا ہے تو اس شکل میں قوم کے فروغ اور کامیابی کے لئے قائد کی تھوڑی کوشش بھی کامیاب ہوجاتی ہے، اور اگر قوم کے کردار اور صلاح وفلاح کی خصوصیات اس لائق نہیں ہوتیں کہ قضاء وقدر کو اپنی طرف متوجہ کرسکیں تو قائد اپنی مخلصانہ کوششوں کے ذریعہ اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ تو ہوجاتا ہے اور کچھ تھوڑا فائدہ بھی پہنچا دیتا ہے لیکن غیر معمولی اور مطلوبہ نتیجہ نہیں حاصل کرپاتا، اس میں اس کی کوتاہی کو دخل نہیں ہوتا، اس میں دراصل اس کی قوم کا نقص ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کے یہاں انسان کے اس کردار اور عمل کو دیکھا جاتا ہے، جو اس کے خالق کی

طرف سے اس کے انسان ہونے کی بنیاد پر اس کو اس کے لائق کردار اور صفات کے طور پر عطا کیا گیا ہے، اور اگر اس کے ساتھ اپنے خالق کی رضا کی طلب اور اس کے مطابق زندگی کی تشکیل شامل ہو تو قضاء وقدر کی طرف سے اس کی خصوصی نصرت ہوتی ہے، سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں اس کی بہترین مثال ملتی ہے، رسالت ملنے کے بعد آپ ﷺ نے جو کوششیں کیں وہ ایسی قوم کی تشکیل کی کوششیں تھیں کہ جو اس کائنات کے مالک کی دی ہوئی انسانی خصوصیات کی اعلیٰ سطح پر فائز ہو سکے، اس کے لئے آپ نے تیرہ سال تک پورے صبر وتحمل اور سخت حالات کے برداشت کے ساتھ کام انجام دیا، اور جب یہ جماعت اپنی خصوصیات کے ساتھ تیار ہوگئی تو آپ نے اس کو ساتھ لے کر باطل اور تخریب پسند طاقتوں کا مقابلہ کیا اور وہ بہتر سے بہتر کامیابی حاصل کی جو انسانی زمرہ میں حاصل کی جا سکتی ہے، لیکن یہی امت چند صدیوں بعد جب اور جہاں اپنی ان خصوصیات کو باقی رکھنے میں زیادہ کوتاہ ثابت ہوئی تو اس کو اپنے مقابلہ کی طاقتوں کے سامنے جھکنا پڑا، بلکہ اپنی کوتاہیوں کی بعض وقت سخت سزا بھگتنی پڑی اور یہ قضاء وقدر کے فیصلہ کے مطابق ہوا۔

برصغیر میں مغل حکومت کے زوال کے عہد میں ملت کی اخلاقیات اور صالح انسانی خصوصیات کے اعتبار سے جو پستی، گراوٹ آگئی تھی ان

کے ہوتے ہوئے قائدین کی اپنی ایک طرفہ کوششوں سے کوئی بڑا نتیجہ نہیں نکل سکتا تھا بلکہ ایسے حالات میں قضاء وقدر کے مالک کی طرف سے سزا مقدر کردی جاتی ہے، جس سے قوم کو گزرنا ہوتا ہے اور قائد و رہبر کی بظاہر ناکامی ظاہر ہوتی ہے، حالانکہ اس کی کوتاہی نہیں ہوتی، اور اگر قائد ورہبر خود ایسی کمزوری اور کوتاہی میں مبتلا ہوتا ہے، تو نتیجہ اور بھی خراب ہوتا ہے۔

بنی اسرائیل کی تاریخ کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے ان کے مورث اور اولین آباء واجداد حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب علیہم السلام، کی اعلیٰ صفات اور اپنے اپنے مالک کی رضا کے مطابق اعمال واطوار کی بنا پر دنیاوی اور دینی سرفرازی عطا فرمائی جس کا اظہار خود قرآن مجید میں صاف الفاظ میں کیا گیا، لیکن جب بعد کی نسلوں میں ہر طرح کے عیوب اور پست کردار کے حالات پیدا ہو گئے جن کی طرف ان کے انبیاء نے بار بار توجہ دلائی اور اپنے کو درست بنانے کی تاکید کی، مگر جب انہوں نے اپنے کو نہیں بدلا تو اللہ تعالیٰ نے دو مرتبہ ان کو سخت ذلت وشکست اور تباہی کی سزا دی، اور یہ فرمایا کہ تم پھر اپنی حالت کو خراب کروگے، تو پھر سزا ملے گی، اسی طرح مسلمانوں کو عہدِ عباسی کے آخر میں جب کہ ظاہری حالت میں اور دکھاوے کے طور پر بڑی شان وشوکت حاصل تھی، ایک غیر متمدن قوم تاتاریوں سے ان کو

سزا دلوائی گئی اور بغداد جیسے عالمی سطح پر اول درجہ پر فائز شہر کی آبادی کو تہہ وبالا کردیا گیا، اگر اس واقعہ سے قبل وہاں کی سوسائٹی کے حالات کے پست ہونے کو دیکھا جائے تو ان کا یہ نتیجہ حیرت وتعجب کا نہ معلوم ہوگا، اسی طرح کی کچھ اور مثالیں عالم اسلام کے کئی مختلف مقامات پر تاریخ میں مل سکتی ہیں، برصغیر میں مغل حکومت کے آخری دور کا جو نقشہ انسانی اخلاقیات اور دینی خصوصیات کی پستی کا اس وقت کی تاریخ کی کتابوں میں ملتا ہے اس کو پڑھ کر یہ تعجب کی بات نہیں معلوم ہوتی کہ اس پستی کا خمیازہ قوم کو بھگتنا پڑے گا، چنانچہ غیر ملکی طاقت اگر چہ ملکی طاقت کے مقابلہ میں بہت قلیل تھی لیکن اس نے اپنی پوری بالادستی کا ثبوت دیا، اور ملک وقوم کو غلامی کی ذلت میں مبتلا کیا، اور اس سے بچانے کی متعدد مخلص قائدین کی کوششیں کامیاب نہیں ہوئیں، کیوں کہ بظاہر قضاء وقدر کے نظام میں قوم، مدد اور نصرت کے لائق نہیں تھی، اور غلامی کی اس سزا کو ذلت اور تباہی کے واقعات کے ساتھ تقریباً سو سال برصغیر کو جھیلنا پڑا، لہذا ملت کی سرفرازی اور سربلندی کی کوششوں میں ہم کو اس بات پر بھی نظر رکھنی چاہیئے کہ ہم قوم وملت کو خصوصیات وصفات کے اس معیار پر کس طرح لے آئیں کہ قضاء وقدر کے مالک کی طرف سے ہم کو ہماری کوششوں میں نصرت حاصل ہو۔

تیرھویں صدی ہجری کے آغاز میں بیرونی طاقت کے غلبہ اور

سامراج سے مقابلہ کرنے کے لئے یہ جو کوششیں ہوئیں، ان کے پوری طرح کامیاب نہ ہونے میں ہمیں تاریخ اس اہم سبب کی طرف متوجہ کرتی ہے، کہ قوم وملت اپنے اخلاق وصفات کے لحاظ سے بظاہر کسی بڑی کامیابی کے لائق نہیں ہوسکی تھی جس کا ایک نمونہ سلطان ٹیپو کی غیر معمولی مدبرانہ اور مخلصانہ کوشش اور قربانی کے کامیاب نہ ہونے کی صورت میں بھی دیکھا جاسکتا ہے، لیکن جہاں تک کسی رہبر یا قائد کی کوششوں کا تعلق ہے وہ اپنی جگہ پر نہ صرف ضروری ہے بلکہ بہت قابل قدر ہے اور سبق آموز بھی ہے کہ کسی انسان کو اللہ تعالیٰ ایسی غیرت اور ایسا عظیم حوصلہ اور تدبر کی صلاحیت عطا کرے کہ وہ اپنی عظیم صلاحیتوں سے اپنی قوم کی درستگی کے لئے اور اس کو باعزت مقام دلانے اور اس مقام کو قائم رکھنے کے لئے جان کی بازی لگادے اور وہ سب کچھ کر ڈالے جو اس کی صلاحیت کی حد تک کیا جاسکتا ہے۔ بہت بڑی بات ہے اور اس کا اثر بھی قوم پر پڑتا ہے اور بار بار اس ذریعہ سے قومیں عظیم بنی ہیں، تاریخ میں اس کی مثالیں بھی خاصی ہیں انہی مثالوں کو سامنے رکھتے ہوئے مخلص رہبران ملت کوششوں میں دریغ نہیں کرتے، اور ایسے رہبروں کے حالات پڑھنے اور ان سے سبق لینے کی ضرورت بھی برابر قائم رہتی ہے۔

ایک ایسی عظیم شخصیت کو جس نے اپنے عہد سے آگے کے

خطرات اور حالات کا اندازہ کرلیا ہو اور ان کو سامنے رکھتے ہوئے تدبیر سلطنت اور حالات کے مقابلہ کے لئے مدبرانہ نظم و انتظام کیا ہو، جیسی سلطان ٹیپو شہید کی تھی یقیناً اس لائق ہے کہ اہل قیادت و سیاست ان کی حکمت عملی کو سامنے لائیں اور نئی نسل کو بھی اس سے واقف کرائیں، یہ محض تاریخی وسیلہ کے طور پر نہیں بلکہ یہ عمل تربیتی اور ذہن سازی کی غرض سے زندہ قوموں کے شایان شان عمل ہوتا ہے، اس حیثیت سے دیکھا جائے تو ظاہر ہوگا کہ سلطان ٹیپو شہید کی زندگی کے حالات اور سیاست و تدبیر حکومت کو پیش کرنے کا خاطر خواہ کام نہیں ہوا تھا ابھی حال میں رابطہ ادب اسلامی کی کرناٹک شاخ نے جس کے ذمہ داروں میں امیر شریعت کرناٹک مولانا مفتی اشرف علی صاحب باقوی اور عزیز گرامی مولانا مصطفیٰ رفاعی ندوی ہیں بنگلور میں ایک سیمینار منعقد کیا جس میں ملک بھر کے ممتاز اصحاب قلم، دانشوروں، ادباء اور محققین نے شرکت کی اس طرح سلطان ٹیپو شہید کے طرز حکمرانی اور ملی و قومی قیادت اور ملکی خدمات اور ان کے ناقابل فراموش کارناموں پر کچھ روشنی ڈالی گئی اور ان کی زندگی کے متعدد پہلوؤں کو پیش کیا گیا اس موقع پر برادر عزیز مولانا سید محمد واضح رشید ندوی استاذ ادب عربی و ثقافت اسلامی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ و ایڈیٹر ''الرائد'' نے ایک فکر انگیز مقالہ پیش کیا اس کی اہمیت و افادیت کے پیش نظر اس کو الگ سے شائع کرنا

مناسب سمجھا گیا اور اس موقع سے اس مضمون کے ساتھ سلطان ٹیپو کی زندگی کا مجمل تعارف عزیزی مولوی سید محمود حسن ندوی سلمہ نے تیار کر کے صاحب مضمون کے مشورہ سے اس کے ساتھ شامل کیا تا کہ مقالہ سے فائدہ اٹھانے میں مزید آسانی ہو، یہ مضمون اس اضافے کے ساتھ ایک اچھا مفید رسالہ بن گیا جو قارئین کے فائدہ کے لئے مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، لکھنؤ سے شائع کیا جارہا ہے اصل مضمون کے ساتھ اسی موضوع پر دو ایک تحریریں اور بھی شامل کردی گئیں (۱) ان سب کو مناسب ڈھنگ سے مرتب کر کے لائق اشاعت بنانے میں مولوی محمود حسنی کے ساتھ مولوی محمد وثیق ندوی نے بھی اچھا تعاون کیا اللہ تعالیٰ دونوں کو جزائے خیر عطا فرمائے، اس نیک مقصد کے تعلق سے جو مقالہ کے پیش نظر تھا مفید بنائے اور قبول فرمائے۔

محمد رابع حسنی ندوی
دائرہ شاہ علم اللہ حسنیؒ
تکیہ کلاں، رائے بریلی

۷/ جمادی الثانی ۱۴۲۵ھ

(۱) دو مضمون اس رسالہ میں مزید شامل کیے گئے ہیں جن کا موضوع سے خاص تعلق تھا ایک مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی قدس سرہ کا جو انھوں نے مولانا محمد الیاس ندوی بھٹکلی کی کتاب "سیرت سلطان ٹیپو شہید" کے مقدمہ کے طور پر لکھا تھا اور دوسرا مضمون حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کا جو انھوں نے بنگلور کے سیمینار میں پیش کیا تھا (مرتب)

بلند ہمت، بلند نگاہ اور غیور فرماں روا

فتح علی خاں ٹیپو سلطان

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

ہندوستان کی تحریک آزادی میں مسلمانوں کا حصہ قدرتی طور پر بہت ممتاز و نمایاں رہا ہے، انہوں نے جنگ آزادی میں قائد اور رہنما کا پارٹ ادا کیا ہے، اس کی وجہ یہ تھی کہ انگریزوں نے جب ہندوستان پر قبضہ کرنا شروع کیا اور رفتہ رفتہ ایک ایک صوبہ اور خطہ ان کے زیر نگین آنے لگا اس وقت مسلمان ہی ہندوستان کے فرماں روا تھے۔

سب سے پہلا شخص جس کو اس خطرہ کا احساس ہوا وہ میسور کا بلند ہمت، بلند نگاہ اور غیور فرماں روا فتح علی خاں ٹیپو سلطان (م ۱۲۱۳ھ مطابق ۱۷۹۹ء) تھا۔ جس نے اپنی بالغ نظری اور غیر معمولی ذہانت سے یہ بات محسوس کر لی کہ انگریز اسی طرح ایک ایک صوبہ اور ایک ایک ریاست ہضم کرتے رہیں گے، اور اگر کوئی منظم طاقت ان کے مقابلہ پر

نہ آئی تو آخر کار پورا ملک ان کا لقمہ تر بن جائے گا، چنانچہ انہوں نے انگریزوں سے جنگ کا فیصلہ کیا اور اپنے پورے ساز وسامان، وسائل اور فوجی تیاریوں کے ساتھ ان کے مقابلہ میں میدان میں آ گئے۔

ٹیپو نے ہندوستان کے راجاؤں، مہاراجوں اور نوجوانوں کو انگریزوں سے جنگ پر آمادہ کرنے کی کوشش کی، اس مقصد سے انہوں نے سلطان ترکی سلیم عثمانی اور دوسرے مسلمان بادشاہوں اور ہندوستان کے امراء ونوابوں سے خط وکتابت کی، اپنے سفیروں کو فرانس، ترکی، ایران اور دوسرے ممالک بھیج کر بین الاقوامی سطح پر فضا ہموار کرنے کی کوشش کی، نیپولین نے بھی ان سے تعاون کیا، اور وسعت پذیر اور خطرناک برطانوی اقتدار کے ختم کرنے کے مقصد میں ان کی مدد کی، وہ زندگی بھر انگریزوں سے سخت معرکہ آرائی میں مشغول رہے، قریب تھا کہ انگریزوں کے سارے منصوبوں پر پانی پھر جائے اور وہ اس ملک سے بالکل بے دخل ہو جائیں مگر انگریزوں نے جنوبی ہند کے امراء کو اپنے ساتھ ملا لیا اور آخر کار اس مجاہد بادشاہ نے ۴؍مئی ۱۷۹۹ء کو سری رنگا پٹنم کے معرکہ میں شہید ہو کر سرخروئی حاصل کی، انہوں نے انگریزوں کی غلامی اور اسیری اور ان کے رحم وکرم پر زندہ رہنے پر موت کو ترجیح دی، ان کا مشہور تاریخی مقولہ ہے:

"گیدڑ کی صد سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے"

جب جنرل ہارس کو سلطان کی شہادت کی خبر ملی تو اس نے ان کی نعش

پر کھڑے ہوکر یہ الفاظ کہے جن کی صداقت کی تاریخ نے تصدیق کردی۔

"آج سے ہندوستان ہمارا ہے"

ہندوستان کی تاریخ سلطان ٹیپو سے زیادہ بلند ہمت، بالغ نظر، مذہب ووطن کے فدائی اور غیر ملکی اقتدار کے دشمن سے آشنا نہیں۔ انگریزوں کے لئے ٹیپو سلطان سے زیادہ مہیب اور قابل نفرت شخصیت کوئی نہ تھی۔ بہت عرصہ تک (اور وہ زمانہ ہم نے بھی دیکھا ہے) وہ اپنے دل کی آگ بجھانے اور آزادی وجہاد کے اس ہیرو کی تذلیل وتوہین کے لئے اپنے کتوں کو سلطان ٹیپو کے نام سے پکارتے تھے۔

انگریزوں کے اقتدار سے اور اس عالمگیر اقتدار کے سلسلہ میں برصغیر ہند پر برطانوی قبضہ کی اہمیت اور اس کی عہد سازی، انقلاب آفرینی کے سمجھنے اور اس کے سنگین نتائج سے (جو نہ صرف ہندوستان بلکہ ملت اسلامیہ اور بین الاقوامی سیاست اور مستقبل پر اثر انداز تھے) واقف اور خائف ہونے کی بڑی بڑی دوربین، نباض زمانہ اور اہل حمیت وغیرت شخصیات کے یہاں بھی بہت کم مثالیں ملتی ہیں۔ اگر اس کی (ٹیپو سلطان کے علاوہ) کوئی مثال ملتی ہے تو وہ حضرت سید احمد شہیدؒ (۱۲۰۱ھ تا ۱۲۴۶ھ) کے ان خطوط میں ملتی ہے جو انہوں نے مہاراجہ گوالیار کے وزیر اعلیٰ راجہ ہندوراؤ اور ان کے فوجی سپہ سالار غلام حیدر خاں کے نام لکھے تھے اور جن میں انگریزوں کے بارے میں یہ فقرے آئے تھے۔

راجہ ہندوراؤ کے نام خط میں تحریر فرماتے ہیں:

''جناب کو خوب معلوم ہے کہ یہ پردیسی سمندر پار کے رہنے والے دنیا جہاں کے تاجدار اور یہ سودا بیچنے والے سلطنت کے مالک بن گئے ہیں، بڑے بڑے اہل حکومت کی حکومت اور ان کی عزت و حرمت کو انہوں نے خاک میں ملا دیا ہے، جو حکومت و سیاست کے مرد میدان تھے، وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں، اس لئے مجبوراً چند غریب و بے سروسامان کمر ہمت باندھ کر کھڑے ہو گئے ہیں، اور محض اللہ کے دین کی خدمت کے لئے اٹھے ہیں، مال اور دولت کی ان کو ذرہ بھر طمع نہیں''

گوالیار کے سپہ سالار افواج غلام حیدر کے نام خط میں تحریر فرماتے ہیں:

''ملک ہندوستان کا بڑا حصہ غیر ملکیوں کے قبضہ میں چلا گیا ہے اور انہوں نے ہر جگہ ظلم و زیادتی پر کمر باندھی ہے ہندوستان کے حاکموں کی حکومت برباد ہوگئی کسی کو ان کے مقابلہ کی تاب نہیں، بلکہ ہر ایک ان کو اپنا آقا سمجھنے لگا ہے، چونکہ بڑے بڑے اہل حکومت ان کا مقابلہ کرنے کا خیال ترک کر کے بیٹھ گئے ہیں اس لئے چند کمزور اور بے حقیقت اشخاص نے اس کا بیڑا اُٹھایا ہے'' (۱)

شاید اس فراست ایمانی، حمیت دینی اور بالغ نظری اور توفیق عمل

---

(۱) سیرت سید احمد شہیدؒ حصہ اول ص ۳۰۳، ۴۰۴

میں اشتراک کی وجہ یہ بھی ہو کہ سلطان شہیدؒ کے خاندان کا سید احمد شہیدؒ کے خاندان سے روحانی وتربیتی تعلق تھا جس پر بہت کم کتابوں اور مضامین میں جو سلطان شہیدؒ کے بارے میں لکھے گئے ہیں، اشارہ کیا گیا ہے، اور جس کا انکشاف ''وقائع احمدی'' کے اس بیان سے ہوا جو سید صاحب کے سفر حج کے موقع پر کلکتہ کے قیام کے سلسلہ میں ان کے خاندان کی صاحبزادیوں اور صاحبزادوں کے سید صاحب کو دعوت دینے اور ان سے بیعت وارادت کا تعلق قائم کرنے کے سلسلہ میں کتاب میں آیا ہے۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے، کہ سلطان شہید کی شہادت نے ہندوستان کی بنتی ہوئی تاریخ کا رخ بدل دیا۔ اور اس کو برطانوی اقتدار کے حوالہ کر دیا۔ جس کے اثرات ہندوستان پر عمومی طور پر اور ملت اسلامیہ ہندیہ پر (جو عالم اسلام میں علمی ودینی وسیاسی طور پر قائدانہ کردار ادا کر چکی تھی) نہایت عمیق، دوررس اور محیط تھے۔ اس حقیقت کو شاعرانہ مولانا ظفر علی خاں نے جتنے بلیغ اور حقیقت پسندانہ انداز میں پیش کیا ہے اس کی مثال اور اس حقیقت کی ترجمانی ایک بڑے مقالہ میں بھی مشکل ہے، وہ کہتے ہیں ۔

اس کے اُٹھتے ہی مسلماں کا گھر بیٹھ گیا

تھا قیامت کا قیام اور قیامت کا قعود (۱)

---

(۱) سیرت ٹیپو سلطان شہید'' از محمد الیاس بھٹکلی ندوی

درمیانِ کارزارِ کفر و دیں
ترکشِ مارا خدنگ آخریں

سلطان ٹیپو شہید

۱۱۶۳ھ ـــــ ۱۲۱۳ھ
(۱۷۵۰ء ـــــ ۱۷۹۹ء)

مختصر حالاتِ زندگی

(از: مرتب)

مختصر حالاتِ زندگی

از ولادت تا شہادت

ولادت اور خاندانی ماحول و مزاج

لعل شب تاب فخر ہند ابوالفتح فتح علی ٹیپو سلطان شہید ہندوستان کے شہرۂ آفاق علاقہ بنگلور سے شمال شرق کی جانب ۲۲ میل پر واقع ''دیون ہلّی'' کے مقام پر ۲۰؍ذی الحجہ ۱۱۶۳ھ مطابق ۱۰؍نومبر ۱۷۵۰ء میں پیدا ہوئے (۱) نسبت حیدری و فاطمی اس طور پر انہیں حاصل تھی کہ والد کا نام حیدر علی اور والدہ کا نام فاطمہ تھا، شجاعت و حوصلہ، دینی غیرت و ملی حمیت اور وطنی و ملکی تعلق و محبت آپ کا جوہر خاص تھا، جو بہت کچھ اپنے عظیم المرتبت باپ حیدر علی سے ورثہ میں ملا تھا، مؤرخین ان کے عربی النسل ہونے کا پتہ دیتے ہیں ان میں یہ نسلی و موروثی اوصاف و کمالات بھی جوش مارتے نظر آتے ہیں، ایک برگزیدہ شخصیت حضرت ٹیپو مستان ولی رحمۃ اللہ علیہ سے محبت و عقیدت میں والد نے نام کا ایک جزء اپنی

---

(۱) بعد میں سلطان نے اس مقام کا نام یوسف آباد رکھا۔ دائرۃ المعارف الاسلامیہ اردو لاہور کے مطابق ولادت کا دن جمعہ کا دن تھا۔

ممدوح شخصیت سے متعلق کیا، اس لیے دین اور رجال دین سے تعلق وارتباط کی آپ کے دل میں اہمیت شروع سے رہی، ولی اللٰہی مکتبۂ فکر و مدرسۂ علم کے تربیت یافتہ اور علم اللٰہی (۱) خانوادۂ علم وعرفان کے گوہر شب چراغ حضرت شاہ ابوسعید حسنی اور ان کے فرزند و جانشین حضرت شاہ ابواللیث کی طرف غیب سے رہنمائی ہوئی، شاہ ابواللیث کا انتقال ۱۲۰۸ھ میں ریاست میسور میں ہوا اور وہ وہیں مدفون ہوئے، یہ خاندان علم اللٰہی صحت عقیدہ، سلامت فکر، اتباع سنت اور دینی غیرت وحمیت میں بڑا ممتاز اور اس کے افراد بڑے حوصلہ اور جذبہ کے واقع ہوئے تھے۔(۲)

والد حیدر علی

نواب حیدر علی ایک مضبوط عزم وحوصلہ اور مومنانہ کردار اور سیاسی حزم وتدبر رکھنے والے شخص تھے، شروع میں وہ راجہ میسور کے ایک معمولی ملازم تھے، پھر ان کو ریاست کی اہم ذمہ داریاں مثلاً گورنری، سپہ سالاری، نیابت سلطان وغیرہ سپرد ہوئیں جن کو انہوں نے بحسن

---

(۱) مراد حضرت حکیم الاسلام شاہ ولی اللہ دہلویؒ (۱۱۷۶ھ) کا مدرسہ وتربیت گاہ اور حضرت شاہ علم اللہ حسنیؒ (۱۰۹۶ھ) کا رائے بریلی میں تکیہ کلاں میں آباد خاندان ہے۔

(۲) اس کی تفصیل مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی خودنوشت سوانح حیات کاروانِ زندگی حصہ اول اور مولانا محمد الیاس ندوی بھٹکلی کی کتاب سیرت سلطان ٹیپو شہید میں دیکھی جاسکتی ہے۔ جس کا انگریزی ایڈیشن TIPU SULTAN کے نام سے دہلی سے حال ہی میں شائع ہوا ہے۔

وخوبی انجام دیا، ان کے اثر ورسوخ کو دیکھ کر سلطنت کے دوسرے لوگ ان سے حسد کرنے لگے جس کے نتیجہ میں انھیں ریاست سے بے دخل کئے جانے کی سازش رچی گئی، چنانچہ وزیر اعظم ریاست میسور کھنڈے راؤ نے مرہٹوں سے مدد لے کر حیدر علی پر فوج کشی کی، سخت لڑائی کے بعد حیدر علی کے حصہ میں کامیابی آئی اور ان کی فتح وکامرانی سے متاثر ہو کر راجہ میسور نے انہیں کھنڈے راؤ کی جگہ دی، ستم ظریفی یہ کہ کھنڈے راؤ کو عہدۂ وزارت حیدر علی کی ہی تجویز پر ننداراج کے بعد ایسے موقع پر ملا تھا جب حیدر علی راجہ کی اول ترجیح تھے اگر حیدر علی میں ذرا بھی اس کی ہوس ہوتی تو کھنڈے راؤ کو محروم ہونا پڑتا، آخر راجہ میسور ان پر پورا اعتماد کر کے ریاست کے امور سے کنارہ کش ہو گئے، اور حیدر علی کے لئے نظم مملکت میں اپنے حزم وسیاست اور عزم وحوصلہ کے جوہر دکھانے کے راستے صاف ہو گئے، اور انہوں نے اپنے حسن تدبیر سے ریاست کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی، اندرون ریاست عدل ومساوات کو عام کیا، اور بیرونی خطرات سے حفاظت کے لئے مضبوط حصار قائم کرنے کے ساتھ حدود سلطنت کو اور وسعت دی (۱) جس کے باعث

---

(۱) مشہور ہندو مؤرخ سیتادیوی کے حوالہ سے مصنف تاریخ سلطنت خداداد (میسور) محمود خاں بنگلوری لکھتے ہیں کہ: راجہ میسور ۳۳ گاؤں کا مالک تھا جب کہ حیدر علی کے زیر نگیں اسی ہزار میل مربع ملک تھا، صورت حال یہ تھی کہ اب راجہ کے ماتحت حیدر علی نہ تھے، بلکہ راجہ ان کے ماتحت آ گئے تھے، پھر بھی یہ راجہ کی عزت کرتے، اور ان کا خیال وفکر رکھتے تھے۔

مرہٹوں کے بڑے علاقے زیر قبضہ واقتدار آگئے ، ان کی شجاعت وبہادری کی داد دینی ہوگی کہ انھوں نے اپنی املاک پر مرہٹوں کے پے در پے حملوں کی مدافعت کے لئے انگریزی سلطنت ریاست کرناٹک سے ساتھ دینے کی بات کی تھی مگر وہ حسب عادت نصرت وحمایت کے بجائے صرف اعلان مساعدت پر کام چلاتے رہے، چنانچہ نواب حیدر علی امیر ریاست میسور نے تنہا مقابلہ کر کے نہ صرف مرہٹوں کو زیر کیا بلکہ انگریزوں سے بدلہ لینے کے لئے ان کی ریاست کرناٹک پر بھی دھاوا بول دیا، جس کے بعد ریاست کرناٹک کے خاصے علاقے اور قلعے مفتوح ہوگئے، بنگلور پر ان حملوں کے مقابلہ کے لئے مدراس گورنمنٹ سے ان لوگوں نے مدد طلب کی، یہاں کی انگریزی حکومت میسور کے لئے ویسے ہی خطرہ تھی جیسے کرناٹک کی حکومت تھی، میسوری افواج نے مدراس پر پھر بھی چڑھائی کی، جس سے انگریزوں پر ایسی دہشت چھا گئی کہ گورنر مدراس ساحل سمندر کی طرف بھاگا اور جہاز میں پہنچ کر پناہ لی، ان مہمات میں حیدر علی کے قابل فخر ورشک عالم سپوت ٹیپو سلطان پیش پیش تھے، وہ چاہتے تھے قلعہ مدراس پر قبضہ بھی کر لیا جائے مگر انگریزوں کے مکر وفریب سے یہ ممکن نہ ہوسکا، اگر یہ ہوجاتا تو اس پورے خطہ سے انگریز راہ فرار اختیار کر جاتے، اور ہندوستان پر حکومت کا انگریزوں کا خواب حقیت نہ بن پاتا، مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ : ”کلُّ ما قدر الله مفعول“

جانشینِ حیدر

شہزادہ فتح علی (۱) ٹیپو سلطان اب والد کی نیابت اور قائم مقامی کے لئے پوری طرح سے تیار ہو چکے تھے، بعض بڑی مہمات سر کرنے کے لئے حیدر علی نے ٹیپو سلطان کو روانہ کیا تھا، سلطان "الولدُ سِرٌّ لأبيه" کے صحیح مصداق تھے، مگر اس کے باوجود حیدر علی کی ۱۱۹۶ھ کے آغاز میں سفر آخرت کے آغاز نے روئے زمین پر انگریزوں کے پست ہو رہے عزم و حوصلہ میں جان ڈال دی، اور ان میں پھر سے نیا جذبہ پیدا کر دیا، تاریخ سلطنت خداداد کے مصنف ایک انگریز مؤرخ کی رائے پیش کرتے ہیں کہ: "قسمت ہندوستان کے خلاف ہو چکی تھی اس لئے حیدر علی کی غیر متوقع وفات نے انگریزوں کے قدم جما دیئے" مورخ کا اپنا تجزیہ حق بجانب ہے، مگر یہ اپنی جگہ سچ ہے کہ سلطان ٹیپو شہید کی بے باک، نڈر، حوصلہ مند، جاذب نظر، پر کشش، بیدار مغز اور زیرک شخصیت نے ان کے جمتے قدموں کو لڑکھڑا دیا تھا، یہ الگ بات ہے کہ بعض اپنوں کی غداری اور حبِّ مال وجاہ سے سلطان کے واقعہ شہادت نے انگریزوں کے خواب کی تعبیر غلط ہوتے ہوتے سچ کر دکھا دی، اور

---

(۱) فتح علی ان کا نام نہیں تھا نظام دکن نے ۱۷۶۷ء میں انھیں "فتح علی خان بہادر" کا خطاب دیا تھا (اسلامی انسائیکلوپیڈیا اردو مطبوعہ شاہکار فاؤنڈیشن کراچی)

بے ساختہ انگریز افسر کی زبان سے یہ جملہ نکلا کہ

"آج سے ہندوستان ہمارا ہے"

بچپن کی نشو ونما اور جوانی کا صحیح رخ کسی بھی شخصیت کی تشکیل وتعمیر میں بڑا کردار ادا کرتا ہے، سلطان شہید کے عالی دماغ والد گرامی نے اپنے عالی شان فرزند کی تربیت میں ان باتوں کا پورا لحاظ وخیال رکھا تھا، سلطان شہید کی عمر کا پانچواں سال تھا کہ عربی وفارسی کی تعلیم کے ساتھ امور جہانبانی کی تعلیم کا بندوبست کردیا گیا تھا، فنون سپہ گری اور شہسواری سکھانے کے لئے ماہر ومشہور استاد مقرر کئے گئے، نتیجہ یہ نکلا کہ وہ پندرہ برس کی عمر میں ایک لائق شہزادہ بہادر کمانڈر اور باحمیت مسلمان کے طور پر فاتحانہ طبیعت کے ساتھ سامنے آگئے۔

اسلامی انسائیکلوپیڈیا (کراچی) کے مطابق "بچپن ہی سے ٹیپو جری، محنت کش، اور صاحب لیاقت تھے، اسلامی علوم کے علاوہ عربی، فارسی، انگریزی، فرانسیسی، اور تامل، کنڑی جیسی زبانوں پر بہت جلد عبور حاصل کرلیا، نیز اس زمانہ کے فنون سپہ گری، شمشیر زنی، تیر افگنی، نیزہ بازی، تفنگ اندازی، تیراکی وغیرہ میں بھی کما حقہ مہارت حاصل کرلی تھی، اور سن بلوغ تک پہنچتے پہنچتے ٹیپو سلطان حرب وضرب کے آداب اور رزم وپیکار کے انگریزی طریقوں سے بھی واقف ہوچکے تھے۔

۱۷۶۵ء (یعنی پندرہ سال کی عمر میں) ٹیپو سلطان فوجی زندگی

میں پہلی بار ہمارے سامنے آتے ہیں وہ حیدر علی کے ساتھ مالا بار پر حملہ آور ہوتے ہیں، یہاں انہوں نے صرف دو تین ہزار سپاہیوں کے ساتھ دشمن کے ایک بڑے لشکر کو حراست میں لے لیا، جس پر حیدر علی نے خوش ہو کر انہیں اپنی محافظ فوج میں شامل کر لیا اور جاگیر عطا کی۔"

نواب حیدر علی نے ٹیپو کی صلاحیت کا اندازہ کر کے ان کو اپنی نگرانی میں مزید ٹریننگ دی، اور یہ محسوس کیا کہ ان میں ایک کامیاب جنرل بننے کی تمام تر صلاحتیں موجود ہیں، چونکہ ٹیپو شہید کو علم وقلم سے خاص لگاؤ تھا، اور دین سے مناسبت تھی جس سے انہیں اس بات کا اطمینان ہوا کہ یہ ولی عہدی کے لیے نہایت موزوں ہیں، اور آئندہ سلطنت کو اسلامی اصولوں کے تحت چلانے میں وہ اچھا کردار ادا کریں گے۔

ابھی سلطان ٹیپو شہید کی عمر ۲۱ سال ہی تھی کہ نواب حیدر علی خاں نے ان کی صلاحیتوں کا امتحان لینا چاہا، اب تک وہ اپنے والد کے ساتھ تسخیر مقامات میں لگے ہوئے تھے اس بار والد نے انہیں مسلح کر کے فوج کے ساتھ قائدانہ طور پر ایک مقابلہ پر بھیج دیا، سلطان مہم سر کر کے واپس ہوئے اور مد مقابل صلح کے لئے مجبور ہوا۔

شادی

بغاوتوں کو فرو کرنے، شورشوں کو دبانے، خطرات سے نمٹنے کے ساتھ ساتھ حدود سلطنت کو وسیع کرنے کا سلسلہ جاری تھا کہ سلطان ٹیپو کی

شادی کا مسئلہ درپیش ہوگیا، بقول مصنف تاریخ سلطنت خداداد ۱۷۷۴ء
کو ٹیپو سلطان کی شادی حسب مرضی نواب حیدر علی خاں امام صاحب بخشی
نائطہ کی لڑکی سلطانہ بیگم سے اور حسب تجویز خواتین محل رقیہ بانو خواہر
برہان الدین سے ہوگئی، دونوں نکاح ایک ہی شب میں ہوئے۔ افسوس
کہ زوجۂ ثانیہ رقیہ کا انتقال سلطان کی حیات میں ہی ہوگیا تھا مگر سلطانہ
سلطان کے تاحیات بقید حیات رہیں، مولانا الیاس ندوی بھٹکلی بعض
مؤرخین کے حوالہ سے سلطان کے تیسرے اور چوتھے عقد کا بھی ذکر
کرتے ہیں، جن میں ایک کشمیری نژاد بھی تھیں، مگر یہ محقَّق نہیں اور انہی
کے بقول محقق یہ ہے کہ سلطان کی شہادت کے وقت ان کی صرف ایک
بیوی زندہ تھیں اور وہ تھیں سلطانہ بیگم۔

شادی کے بعد سلطان ٹیپو کو متعدد معرکوں کا سامنا کرنا پڑا ان
میں نظام حیدر آباد، مرہٹوں، اور انگریزوں کے مشترکہ حریف حیدر علی
تھے، حیدر علی نے ان مہمات میں سلطان ٹیپو کو شریک رکھا، یہ معرکے
۱۷۷۶ء، ۱۷۷۸ء، ۱۷۷۹ء، ۱۷۸۰ء، میں پیش آئے اور ان سب میں
کامیابیاں اور فتوحات حاصل ہوئیں۔ جب کہ شادی سے پہلے کے اہم
معرکے ۱۷۶۵ء، ۱۷۶۷ء، ۱۷۶۹ء اور ۱۷۷۲ء کے تھے جن میں ٹیپو
شہید اپنے والد حیدر علی کے دوش بدوش تھے، اس طرح انھیں والد کا
اعتماد اور والد کو ان کی طبیعت وحوصلہ اور طور طریق سے اطمینان حاصل

ہوا، اور ایک مثالی اسلامی ریاست کے قیام واستحکام کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوتا نظر آیا۔

والد کی وفات اور سلطان شہید کی تخت نشینی

۱۱۹۵ھ کا اختتام اور ۱۱۹۶ھ کا آغاز (۱۷۸۲ء) عہد حیدری کی آخری ساعتیں تھیں، سلطان شہید اپنی منزل سے دور اپنے والد کے چھیڑے ہوئے کاموں کو انجام دینے میں مصروف تھے، والد کی وفات کی خبر صاعقہ اثر نے ان کی چولیں ہلا دیں، غیر موجودگی کا صدمہ کوئی معمولی نہ تھا، پھر بھی انہوں نے اپنے کو سنبھالا، اور نئے عزم وحوصلہ سے قافلہ سالاری شروع کی، ۲۰ر محرم الحرام ۱۱۹۶ھ کو سنیچر کے روز تاج شاہی زیبِ سر کیا، تخت نشینی کے اطلاع نامے چاروں طرف جاری کر دیئے، فوج کے لئے یہ فرمان جاری کیا کہ جو جہاں ہے اپنا فرض منصبی نہایت خوبی اور اطمینان سے ادا کرتا رہے، ٹیپو شہید کی غیر حاضری انگریزوں سے مقابلہ کی وجہ سے تھی، میسور کی اس دوسری جنگ میں یہ اپنے والد کی نیابت ان کی حیات میں کر رہے تھے، اب نیابت بعد از ممات تھی، تاج پوشی کے بعد انگریزوں کو زیر کرنے کے لئے بڑی چابک دستی سے کام لیا، اور اس وقت خوشی کی انتہا نہ رہی جب خود انگریز صلح کی درخواست کے ساتھ پہنچ گئے، ایک انگریز مؤرخ کا بیان ہے:

”اس کی منھ مانگی مراد برآئی کہ اس کا دشمن اس کے آگے سر جھکائے ہوئے طالب صلح تھا، سلطان نے فوراً دعوت صلح قبول کرلی“(۱)

انگریزوں سے نمٹنے کے بعد سلطان شہید نے اندرونی سازشوں کے استیصال پر توجہ دی، جس میں کورک کی بغاوت ایک اہم مسئلہ تھا اس بغاوت کو ختم کرنے کے بعد ان کے قیدیوں کے سامنے جن کی تعداد مؤرخ سلطانی اسّی ہزار مرد وعورت بتاتا ہے اسلام کے فوائد وبرکات بتائے گئے یہ سب کے سب ایسے متاثر ہوئے کہ ان سبھوں نے اسلام قبول کرلیا۔

سلطنت کی تنظیم نو اور دشمنوں کی ریشہ دوانیاں

بغاوتوں اور شورشوں کے فرو ہوجانے کے بعد ملک وفوج کی تنظیم نو کی طرف توجہ کی، سلطان شہید کی یہ کامیابی اور اطمینان نظام حیدرآباد، اور مرہٹوں کو بڑا کھٹکا، انہیں اب تک یہ خیال تھا کہ سلطنت خداداد اندرونی بغاوتوں اور انگریزوں سے صف آرائی میں الجھ کر رہ جائے گی، اور اس کی چولیں ہل جائیں گی، مگر اسے از سر نو ابھرتے دیکھ کر کہ سلطانی شان وشکوہ کا پرچم پورے ہندوستان میں اُڑنے لگا ہے، اور

(۱) ملاحظہ ہو تاریخ سلطنت خداداد از محمود خاں محمود بنگلوری

اس کی ہیبت دوسری ریاستوں پر چھارہی ہے ، نظام ومرہٹوں کے دارالسلطنت حیدرآباد وپونا تھرا اُٹھے ، اورانہوں نے سلطنت خداداد کو کمزور کرنے کے لئے مشترکہ پلیٹ فارم تیار کیا ، نظام حیدرآباد کی یہ بدقسمتی تھی کہ انہوں نے حلیف وحریف چننے میں زبردست خطا کی اور ایسی خطا کہ جس کا بھگتان ان کی نسلوں اور قوموں کو ادا کرنا تھا ، انہوں نے ٹیپو سلطان کو اپنا حریف اور دشمن اور خطرہ سمجھا جب کہ ٹیپو نے نہایت مخلصانہ طور پر نظام کے ایلچی سے یہ کہلایا تھا کہ مجھے تم لوگوں سے کچھ دشمنی نہیں ہے ، اور ایک دوسرے ایلچی سے کہلایا تھا کہ میں یعنی ٹیپو سلطان مسلمانوں کی سلطنت کو تقویت دینا اور اپنی جان ومال خدا کے سچے مذہب اسلام پر نثار کردینا چاہتا ہوں ، اس حالت میں تمام مسلمانوں کو میرے ساتھ ہونا چاہئے۔

مگر اس کا نتیجہ کچھ نہ نکلا ، نظام اسی طرح اسلامی ریاست کی تشکیل میں کانٹا بنے رہے اور اعداء اسلام کا ساتھ دیتے رہے ، آخر شاہنور کا میدان نظام اور مرہٹوں کی جمعیت اور ٹیپو کی فوج کے درمیان میدان کارزار بنا ، مگر پلّہ ٹیپو کا ہی بھاری رہا ، پھر فوج کو دو حصوں میں ترتیب دے کر حیدرآبا اور پونا کی تسخیر کے لئے بھیجا دونوں مدّ مقابل صلح کے لئے مجبور ہوئے یہ واقعہ ۱۷۸۷ء کا ہے۔

ان مہمات سے فارغ ہو کر سلطان نے انتظام سلطنت پر اپنی

تمام تر توجہ مرکوز کردی، یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ انگریز اور فرانسیسی اپنے اپنے مقصد سے ہندوستان آئے تھے، مگر فرانسیسی انگریزوں (برٹش) کے آگے اپنا سکہ نہ چلا سکے، اور انہیں یہاں سے واپس ہونا پڑا، انگریزوں نے بڑی زیرکی سے حکمت عملی طے کی، حکومتوں کے خلاف شورشیں اور بغاوتیں کرانے کا لامتناہی سلسلہ جاری کیا، تجارت، زراعت، صنعت کے نام پر ریاستوں کے نظام ہائے حکومت میں دخیل ہونے لگے، چنانچہ اودھ، بنگال، کرناٹک، دکن، دہلی پر ان کا جس آسانی سے زور چل گیا، یہاں میسور میں کہیں زیادہ دشواری شیر میسور کی وجہ سے آرہی تھی، مگر وہ خاموشی سے اپنے کام میں لگے تھے، چنانچہ اس عرصہ میں جس میں سلطان مرہٹوں اور نظام سے جنگ میں مصروف تھے، ایسٹ انڈیا کمپنی خاموشی سے اپنی فوجی تنظیم میں لگی ہوئی تھی، ایک تو انہیں نئے مقبوضات کی تلاش تھی دوسرے وہ حیدر علی اور سلطان شہید سے اپنی شکستوں کا بدلہ لینا چاہتے تھے، بظاہر انہیں یہ امیدیں موہوم سی نظر آرہی تھیں، مگر سلطان شہید کو تھکا ماندہ دیکھ کر وہ اب تاخیر روا رکھنا نہیں چاہتے تھے آخر ملیبار کی بغاوت ۱۷۸۹ء سے اس نئے سلسلہ کا آغاز ہوگیا ہر بغاوت کو انگریزوں کی طرف سے کمک پہنچتی تھی، اور ہر شورش کے پیچھے ان کی سازش کارفرما ہوتی تھی، اس بغاوت سے انگریزوں نے خاص فائدہ اٹھانا چاہا، مدراس سے جنرل میڈوز نے

سلطنت خداداد کے سر پر فوجیں بھیج دیں، بغیر اعلان جنگ کے مدراس کے اس اقدام سے سلطان سخت متحیر ہوئے، سلطان نے حالات کا مطالعہ کرتے ہوئے فرانسیسیوں کو ساتھ لینے کی حکمت عملی تیار کی، اور دوسری طرف انگریزی فوج پر دھاوا بول کران کو چلتا کیا، فرانسیسی بعض مصالح کے پیش نظر ساتھ آنے سے معذور رہے، اور مدراس کے گورنر جنرل لارڈ کارنواس نے فرانسیسیوں کے نہ ساتھ آنے کی پالیسی کو دیکھ کر باقاعدہ جنگ کا آغاز کردیا، اور سلطان کے خلاف اپنی طاقت مضبوط کرنے کے لئے حیدرآباد اور پونا کو ساتھ لے کر متحدہ محاذ قائم کیا، حیدرآباد سے جرم بالائے جرم یہ ہوا کہ یہی حیدرآباد ہے جس کا سلطنت مغلیہ کے زوال میں اہم کردار رہا تھا، آج وہ سلطنت خداداد کو نقصان پہنچانے کے درپے ہے، اب تک انگریز سلطان ٹیپو شہید کے حریفوں کے حلیف بن کر آمنا سامنا کرتے تھے، مگر ہر مرتبہ شکست کا منھ ہی دیکھ کر جاتے تھے، اب خود اصل حریف بن گئے اور دوسرے ان کے حلیف کے طور پر آئے، برٹش حکومت نے لارڈ کارنواس کو ہندوستان میں اپنا نائب بنا کر بطور گورنر جنرل کے بھیجا، اور جنرل میڈوز کو ہندوستان میں اپنے مرکز اول مدراس کا گورنر نامزد کیا، یہ لوگ ان حالات میں ہندوستان آئے کہ سلطان ٹیپو کے نام سے انگلستان بھی تھرّا رہا تھا، انگریزی مائیں اپنے بچوں کو ٹیپو کے نام سے ڈراتی تھیں، کارنواس نے

سب سے پہلے نظام کی ریاست کو کمزور کرنے اور اس کے بعض علاقوں
پر کلی طور پر قبضہ کرنے کا کام کیا کہ کہیں سلطان ان کو ملا نہ لے، دوسری
طرف مرہٹوں پر اپنا زور چلایا آخر وہ ان کے تابع ہو گئے، پھر ان تینوں
نے یہ عہد نامہ تیار کیا کہ ٹیپو سلطان کی روز افزوں طاقت کو مٹایا جائے
اور اس کا ملک انگریز، نظام، اور مرہٹوں میں تقسیم کر لیا جائے، انگریز
شروع سے بدعہد اور مفاد پرست واقع ہوئے، وہ ایک عہد کو توڑتے
اور ایک عہد نامہ تیار کرتے، ان کے ساتھ مل کر ٹیپو کے خلاف حملہ کرنے
سے پہلے مکر و فریب سے ایک کامیابی سلطنت خداداد کے اندر سازشوں
اور شورشوں کا جال بچھا کر حاصل کی، رشوتوں کا بازار گرم کیا تا کہ ٹیپو کے
وفاداروں کو توڑا جائے، آخر ۱۷۹۱ء میں کارنواس کی فوجیں مدراس سے
مملکت میسور میں داخل ہو کر بنگلور پر حملے کرتی ہیں، اور پھر سرنگا پٹم کا
رخ کرتی ہیں، سرنگا پٹم کے محاصرہ اور سامان رسد کی تنگی سے اولاً
دشواریاں پیدا ہوئیں، مگر سلطانی فوج نے بڑی پامردی اور حوصلے سے
اس کا مقابلہ کیا، جس کے نتیجے میں انگریزوں کا اپنا قائم کردہ محاصرہ خود
اپنے گلے کی ہڈی بن گیا، آخر لارڈ کارنواس کے ہوش و حواس اڑ گئے،
اور وہ اس پر مجبور ہو گیا کہ محاصرہ کو اٹھا لیا جائے، اگر مرہٹوں کی جانب
سے انگریزی فوج کو سامان رسد نہ پہنچتا تو ان کی مکمل تباہی میں کوئی کسر
باقی نہ رہ گئی تھی، سلطان کی یہ اقبال مندی تھی کہ ان کی کاشتکار رعایا سے

انگریزی فوج کوئی رسد اور مدد نہ پا سکے، ۱۲۰۷ھ ۱۷۹۲ء میں انگریزوں نے دوبارہ سرنگا پٹم کا رُخ کیا، ان کے حلیف ان کے ساتھ تھے، اس مرتبہ حملہ آوروں کی تعداد اکیاسی ہزار تھی، جب کہ سلطانی سپاہ کی تعداد کل ۴۵ ہزار تھی، لیکن اس بار بھی جب کہ مخالف افواج اندر تک گھس آئی سلطانی فوج نے ایسی بے جگری سے حملہ کیا کہ انگریزی فوج پسپا ہونے پر مجبور ہوگئی۔

انگریزوں سے جنگ کے بعد سلطان نے از سرنو سلطنت کے انتظام پر خود توجہ دی، سلطنت کے تمام قلعوں کی مرمت کرائی، شہزادوں کی شادیاں کی گئیں، قبل ازیں ۱۷۹۳ء میں سلطان کے دونوں شہزادے یرغمال بنالئے گئے تھے، وہ ۱۷۹۴ء میں وہ واپس سلطان کے پاس آئے، ان کی آمد سلطان کے لئے عید کی آمد تھی، اس کے بعد سلطان نے اپنے درباریوں اور سپاہیوں سے جو اقرار لیا تھا وہ یہ تھا کہ وہ دین اسلام کی حمایت وحفاظت کے لئے ہمیشہ مستعد رہیں گے، سلطان بڑے ذہین اور دشمنوں کی چالوں سے بڑے باخبر شخص تھے مگر اس کے ساتھ وہ اعتماد کرنے والے، حسن ظن رکھنے والے اور حلف نامے وعہد نامے پر وفاداری کا یقین کرنے والے اور نیک ومروت والے شخص تھے، اسی چیز نے میر صادق اور میر غلام علی لنگڑا جیسے سلطنت خداداد کے لئے ناسور بننے والوں کو اہم مناصب اور داخلی وخارجی ذمہ داریاں عطا کرادیں۔

انگریزوں سے چوتھی و آخری جنگ

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی اپنے لئے سب سے زیادہ خطرہ سلطنت خداداد کے استحکام کو سمجھتی تھی، اور سلطان ٹیپو شہید کو راستہ کا ایک بڑا پتھر خیال کرتی تھی، جو اس کے مقاصد اور منافع تک رسائی میں پوری طرح حائل اور ان کے غلبہ کے نقصانات کو سب سے زیادہ سمجھنے والے تھے، یہی وجہ تھی کہ وہ انگریزوں کے سلسلہ میں ذرا بھی لچک اور نرمی روا نہ رکھتے تھے، اس لئے انگریز کسی بھی صورت میں سلطنت خداداد کو تہس نہس کرنے کا ارادہ کر چکے تھے، اس کے لئے انہوں نے تمام تر ترکیبیں اور صورتیں اختیار کیں، لارڈ ولزلی کو ہندوستان کا گورنر جنرل بنا کر بھیجا گیا، اب ایسٹ انڈیا کمپنی کو اس کی نگرانی میں اپنے منصوبوں پر عمل کرنا تھا، یہ ۱۷۹۸ء میں سرجان شور کی جگہ پر آئے، جن سے پہلے کارنوالس برطانیہ کا ہندوستان میں قائد اعظم یا نائب اول تھا، اسے فرانسیسیوں سے بھی نفرت تھی، اور یہ وہ زمانہ تھا جب نپولین کی قیادت میں فرانس کے قبضہ میں یورپ کے اہم علاقے اور آسٹریلیا آ چکے تھے، ولزلی برطانیہ کے لئے ایک جذباتی شخص تھا، دوسری طرف فرانس کی ہمدردیاں ایسے لمحات میں سلطان ٹیپو کے ساتھ تھیں، جو ان کی محبت میں نہیں برطانیہ سے نفرت میں تھیں، ولزلی سے کہاں یہ دیکھا

جا سکتا تھا، اب ہندوستان میں پورے طور پر قدم جمانے اور اپنے ملک انگلستان کو بیرونی خطرات سے محفوظ رکھنے کے لئے تاخیر کا خطرہ (Risk) لینا نہیں چاہتا تھا، اور ادھر سلطان ریاستہائے متحدہ ہندوستان کی ریڑھ کی ہڈی سمجھی جانے والی ریاست کے استحکام و وسعت کے لئے اپنی تمام تر تدابیر اور لاؤ لشکر کے ساتھ جان کی آخری بازی لگانے کو تیار تھے، ولزلی نے یہ کوشش کی کہ پونا اور حیدرآباد کو پورے قابو میں لے لیا جائے، تا کہ یہ علاقے کسی بھی صورت میں سرنگا پٹم سے نہ مل پائیں، چنانچہ ایک معاہدہ کے تحت نظام حیدرآباد کو اس کا پابند کیا کہ نظام کی فوج کے افسر انگریز ہوں گے، فوج کے اخراجات حیدرآباد برداشت کرے گا، تمام فرانسیسیوں کو ملازمت سے برخواست کردیا جائے، اور ریاست حیدرآباد میں سوائے برٹش کے کوئی دوسرا یورپین ملازمت نہ کرسکے گا'' یہ معاہدۂ ۱۷۹۸ء'' اس معاملہ میں انگریز اس قدر حساس تھے کہ انہیں شبہ بھی گوارہ نہ تھا کہ ان کے حلیف حیدرآباد اور پونا کے اختلافات سامنے آئیں، جس سے سرنگا پٹم کو مضبوطی پہنچے چنانچہ ان کے مراسلہ ۲۲ رفروری ۱۷۹۸ء موسومہ پریزیڈنٹ بورڈ آف کنٹرول سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ

''یہ کوئی دوراندیشانہ پالیسی نہیں ہے کہ نظام اور مرہٹے آپس میں لڑ کر کمزور ہو جائیں، درآنحالیکہ سلطان آرام میں ہیں''

ہندوستان میں اطمینان کر لینے کے بعد انگریزوں نے افغانستان پر توجہ کی کہ کہیں یہاں سے سرنگاپٹم کو کمک نہ پہنچ جائے، اس کے لئے انگریزوں نے دوسری سازشیں رچیں، سندھیا اسٹیٹ کو بھی سرنگاپٹم سے دور رکھنے کے لئے دوسری چالیں کھیلیں، اور ان سب کے بعد سلطنت خداداد کے اندر جھوٹ فریب، رشوت ستانی سے کام لیتے ہوئے ہر قسم کے غلط سلط ہتھ کنڈے اختیار کرتے ہوئے رعایا کو سلطان سے بدگمان کرنے کا کوئی دقیقہ فروگذاشت کرنے نہیں دیا گیا، سلطان کو ظالم، بزدل، عیش پرست، اور نہ جانے کیا کیا الزام دے کر متہم کیا اور یہ سب تہمتیں انگریزوں نے اپنے مقصد کے حصول کے لئے لگائیں، دوسری طرف سلطان، ترکی، فرانس سے بوقت ضرورت تائید واعانت کے لئے معاہدہ کے لئے کوشاں تھے، چونکہ سلطنت خداداد ایک آزاد سلطنت تھی اس لئے وہ حسب ضرورت کسی طاقت سے معاہدہ کرسکتی تھی انگریز سلطان کے فرانس سے تعلقات کو کسی حال میں برداشت نہیں کرسکتے تھے مگر اس کے باوجود سلطان سے دوستانہ مراسلت کرتے، اور ایسی محبت وخلوص کی دہائی دیتے کہ سلطان کا ان خطوط سے دھوکہ میں آجانا کوئی تعجب کی بات نہ تھی، مگر ان خطوط کے ساتھ انگریز بری اور بحری تیاریوں میں مصروف تھے، اور سلطان کو اپنی طرف سے خطرہ کا احساس نہیں ہونے دینا چاہتے تھے، ادھر میر صادق سلطان کے قریبی

ہوکر یہاں کے رازوں کو انگریزوں تک پہنچانے اور انگریزوں کے خطرات سے سلطان کو بے بہرہ رکھنے کا کام انجام دے رہا تھا، ایک چیز اور انگریزوں کے لئے تقویت کا باعث بنی کہ ترکی نے فرانس کے لئے اپنی مخالفت کھلم کھلا ظاہر کردی، اس طرح سلطان کو ترکی سے مایوس ہونا پڑا، اور اس کو موقع غنیمت جان کر ایسٹ انڈیا کمپنی نے سلطنتِ خداداد سے جنگ چھیڑ دی، چنانچہ ۲۲ رفروری ۹۹ے اء کو ولزلی کی طرف سے اس کا اعلان کر دیا گیا، جنرل ہارس (HARRIS) نے پیش قدمی کی، انگریزی سپاہ کے ساتھ حیدرآبادی سپاہ بھی تھی، انگریزوں کے جاسوسوں نے پہلے پہل سلطنت کے غداروں کے یہاں طرح اقامت ڈالی، میر صادق، پورنیا، غلام علی لنگڑا، قمر الدین خاں انگریزوں کے آلہ کار تھے، جو سلطان کو اس خطرہ کے ادراک کا موقع ہی نہیں دینے دیتے تھے، اور جھوٹ بول بول کر سلطان کو دھوکہ دے رہے تھے، اور فوری فوائد اور منافع کی ہوس ولالچ میں سلطان وسلطنت کے راز ان کے دشمنوں کو پہنچا رہے تھے، آخر سلطان نے اس کا ادراک واحساس پاکر سبھی عہدہ داروں کو مسجد اعلی سرنگاپٹم، میں بلا کر وفاداری اور ایمان داری کا حلف لیا مگر اب پانی سر سے اونچا ہو چکا تھا نفاق اپنے عروج پر تھا اور دشمن کے حوصلے بلند تھے جنرل ہارس مدراس کی طرف سے اور جنرل اسٹوارٹ ملیبار کے راستہ سے پایہ تخت سلطنت خداداد اپنی فوجوں کے ہمراہ پہنچے، بالکل

قریب آجانے پر سلطان کو خبر لگی تو اس نے جرأت وحوصلہ کی انتہا کردی، اور فوراً انگریزی فوج کے مقابلہ کے لئے نکل پڑے، گویا سلطان ہمہ دم تیار رہتے تھے، مقابلے سخت اور بھیانک ہوئے، متعدد ایسے موقع آئے کہ سلطان کی فوج کے آگے انگریز اور ان کے حلیف سپر ڈالنے کے قریب ہوگئے، مگر تقدیر کچھ اور کہہ رہی تھی آخر سلطنت خداداد کے سپہ سالار اعظم نواب محمد رضا خاں کو اسی اثناء میں گولی لگی اور ان کی شہادت ہوگئی، سلطان شہید نے ان کی نعش کو تجہیز وتکفین کے لئے روانہ کیا اور خود مخالف فوج کے مقابلہ پر آگئے اس احساس کے باوجود کہ تقدیر تدبیر پر غالب آرہی ہے سلطان شہید نے عزم وحوصلہ میں کوئی کمزوری نہ آنے دی، حالانکہ سلطان پر یہ راز افشا ہو چکا تھا کہ وہ اپنوں سے مار کھا رہے ہیں، اور یہ سب کچھ جس کا واہمہ بھی نہیں تھا خاص تعلق اظہار کرنے والوں کی غداری سے پیش آرہا ہے، مگر نیک طینت، شریف النفس سلطان صرف گمان پر خواہ گمان یقین کی حد کو چھو رہا ہو انتقام لینا نہیں چاہتے تھے۔ لیکن حالات کا صحیح ادراک کر چکے تھے، البتہ ادراک کرنے میں تاخیر ہوئی، اور اب حالات اس حد تک خراب ہو چکے تھے کہ سلطان کو کسی کامیابی کی امید موہوم سی نظر آرہی تھی، وہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں تھے، مگر وہ اللہ کی مرضی ومشیت اسی میں جان رہے تھے کہ شاید اب زیادہ دن باقی نہیں رہ گئے بہت کوشش ہم دنیا میں کر چکے بدلہ ہم آخرت

میں پائیں گے آخر یہ الفاظ آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے زبان سے نکالے کہ:

''رضائے مولیٰ برہمہ اولیٰ''

سلطنت خداداد کی مدت اور وقت اختتام کا اندازہ سلطان نے کرلیا تھا، مگران کی حمیت وغیرت کو یہ گوارہ نہ تھا کہ وہ زندگی کے شوق میں موت سے گھبرا کر دشمنان اسلام کے رحم وکرم پر خود سپردگی کریں، اور آخری کوشش اسلامی ریاست کو بچانے کی نہ کرکے راہ فرار اختیار کریں، اسی لئے ان آخری لمحات میں جب کہ وہ تین طرف سے محصور تھے، دشمن بالکل قریب تھے اتنے میں ان کے ایک جاں نثار نے عرض کیا، آپ اپنے کو پیش فرمادیں، سلطان نے نہایت ناگواری سے کہا:

''گیدڑ کی صد سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی اچھی ہے''

واقعۂ شہادت

مرد مومن حکیم مومن خاں مومنؔ نے بہت خوب کہا ہے ؎

الٰہی مجھے بھی شہادت نصیب
یہ افضل سے افضل عبادت نصیب

یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ ۲۲/اپریل ۹۹۷اء کو جنرل ہارس نے سرنگا پٹم پر گولہ باری سے پیشتر مصالحت کا ایک مسودہ سلطان

کی خدمت میں دستخط کے لئے بھیجا ''جسے مسودہ مصالحت وامن'' کے بجائے ''نامۂ اہانت واعلان جنگ'' کہنا زیادہ صحیح ہوگا وہ یہ کہ نصف سلطنت چھوڑ دی جائے، دو کروڑ تاوان دیا جائے، جس میں ایک کروڑ فوراً ادا کیا جائے چار بیٹے اور چار جرنیل بطور یرغمال دئے جائیں، اور اس کا جواب چوبیس گھنٹوں میں دے دیا جائے، سلطان کی غیرت وحمیت اسے کہاں قبول کرسکتی تھی انھوں نے اپنا اور ملت کا معاملہ اللہ پر چھوڑ کر مقابلہ کی ٹھانی۔

آخر گھمسان جنگ ہوئی، سلطان کو حالات نے بتا دیا تھا کہ مقدر کچھ اور ہے اسی اثنا ایک جاں نثار سید غفار کے شہید ہونے کی اطلاع نے گویا ان کے وقت موعود کی خبر دی، وہ کھانے میں تھے اس سے یہ کہتے ہوئے ہاتھ اُٹھالیا کہ ''بس ہم بھی جانے والے ہیں''۔ سچ تو یہ کہ انھوں نے اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے تگ ودو کی انتہا کردی ایک وقت آیا کہ سلطان ہر طرف دشمنوں سے گھر چکے تھے اس کے باوجود ان کی تلوار اپنے جوہر دکھا رہی تھی، اسلامی انسائیکلو پیڈیا (کراچی) کے نزدیک سلطان کے دو زخم لگ چکے تھے، تیسرے زخم نے نڈھال کر دیا وفاداروں نے اٹھا کر پالکی میں ڈالنا چاہا لیکن ایک ہجوم نے انہیں پیچھے ڈھکیل دیا، سلطان زخموں سے چور ہو کر زمین پر گر پڑے ایک انگریز سپاہی نے آگے بڑھ کر ان کی بیش قیمت پیٹی اتارنا چاہی ابھی سلطان میں زندگی

کی رمق اور غیرت کا جوش باقی تھا فوراً تلوار کا وار کیا، اور سپاہی کو کاٹ کر پیچھے پھینک دیا، پھر دوسرے سپاہی نے سلطان پر شدید وار کیا، یہ وار ایسا تھا کہ جس سے وہ جانبر نہ ہو سکے مگر آخری لمحات تک سلطان نے جہد مسلسل تکبیر مسلسل کے ساتھ جاری رکھی اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے اپنا خون نذر کر کے جام شہادت نوش کیا، ان کے مخلص رفقاء و مجاہدین نے بھی لذت شہادت حاصل کی، اور سرخ روئی پائی، اور اس کے مصداق ٹھہرے۔

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ○ (سورہ الاحزاب:۲۳)

"اہل ایمان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ انھوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا اس میں سچے اُترے۔ سو ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے اور کچھ ان میں کے راستہ دیکھ رہے ہیں اور انھوں نے ذرا فرق آنے نہیں دیا۔"

یہ واقعہ ۴ رمئی ۱۷۹۹ء ۲۹ رذی قعدہ ۱۲۱۳ھ کا ہے جنرل ہارس کو جیسے ہی خبر ملی وہ خوشی میں کنٹرول سے باہر ہو گیا، اور یہ کہہ اُٹھا کہ

"آج سے ہندوستان ہمارا ہے"

یہ تھا شیر دل سلطان جس کی ہیبت سے شیر بھی تھرّاتے تھے، شیر اس کا محبوب جانور تھا اور وہ لوگ انہیں محبوب تھے جنہیں شیر کا خطاب ملا، حضرت علی بن ابی طالب کے خطاب ''اسد اللہ الغالب'' کو اپنا مونوگرام بنایا تھا، جو ان کے تمام ہتھیاروں پر کندہ تھا اور ان ہی کے ایک دوسرے خطاب ''حیدر'' کو اس طور پر اختیار کیا تھا کہ سکوں کے ایک رُخ پر یہ عبارت رقم کرادی تھی کہ

''دین احمد در جہاں روشن ز فتح حیدر است''

یہ عمل ان کے دین سے لگاؤ، محبت رسول اللہ ﷺ اور فاتحانہ جذبہ کی عکاسی کرتا ہے۔ سلطان کو اس کا فائدہ حاصل ہوا اور اور اس سے ان کی اس منزل اور رتبہ تک رسائی ہوئی جس کی تمنا علامت ایمان ہے، اور شاعر اسلام ڈاکٹر محمد اقبال کا یہ شعر ان پر صادق آتا ہے کہ ؎

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

چند اوصاف وخصوصیات

سلطان شہید کو اللہ تعالیٰ نے بڑا آفاقی ذہن، سچا ملی درد اور گہری ملکی فکر اور عوام و رعیت کے حقوق کی ادائیگی کے لئے نئے نئے راستے نکالنے اور مختلف انداز سے ان کی راحت رسانی کا کام کرنے کی

صلاحیت بخشی تھی، ان کا ذہن ایک جگہ ٹھہرتا نہیں تھا، ایک مقام پر پہنچ کر دوسرے مقام کی طرف چل پڑتا تھا، یہ ان کا اختراعی ذہن ہی تھا کہ ریاست کی رعایا کی اس طور پر فکر کی کہ ان کی آبادی کا صحیح پتہ لگانے کے لئے مردم شماری کا کام کرایا اور یہ حکم نامہ جاری کیا جس کے الفاظ تھے:

"حکم دیا جاتا ہے کہ پوری مملکت کی مردم شماری مع اجناس و سامان کے کی جائے اور اس کی رپورٹ سلطان کو دی جائے"

شہروں اور مقامات کو خطاب دیئے مثلاً بنگلور کو دارلسرور، منگلور کو جمال آباد، بھٹکل کو رحمت آباد، کالی کٹ کو اسلام آباد، ہاسن کو قائم آباد، رتنا گیری کو مصطفیٰ آباد اور اپنی جائے پیدائش دیون ہلّی کو یوسف آباد کے خطابات سے نوازا۔

یہ ذوق و مزاج اور بھی اشیاء میں کارفرما رہا مثلاً سکوں میں سب سے قیمتی اشرفی کو حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ سے نسبت کرکے احمدی اور اس سے کم قیمتی اشرفی کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے نسبت کرکے صدیقی اور اس کے بعد والی اشرفی کو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے نسبت کرکے فاروقی نام دیا، اور ان سے کم قیمت والی اشرفیوں کو بھی مختلف مناسبتوں سے الگ الگ ناموں سے معنون کیا، حُبّ صحابۂ کرام کے ساتھ حب اہل بیت اطہار سے قلب کو گرمائے ہوئے تھے، عمل و کردار اسلامی تھا، عقیدہ میں صلابت، سنت کا لحاظ، شریعت کا پاس رکھتے تھے،

چہرہ پر داڑھی اس لئے نہیں تھی کہ ریش ظاہر نہیں ہونے پائی تھی، حیا مزاج بن چکی تھی، یہی وجہ تھی کہ حمام میں کپڑا باندھ کر نہاتے، نگاہ نیچی رہتی، تمام فرامین پر اپنے ہاتھ سے بسم اللہ لکھتے آخر دور میں سبز رنگ کا دستار سر پر رہتا، لوگوں کو احتراماً و تعظیماً اپنے سامنے جھکنے سے منع کیا، ایک مقام پر ہندو عورتوں کی گرمی کی وجہ سے سر و سینہ کھولے پھرتے دیکھا تو یہ حکم نامہ جاری کر دیا کہ کوئی عورت اوڑھنی کے بغیر باہر نہ نکلے، جماعت کے ساتھ نماز کا اہتمام تلاوت کا معمول، کتب بینی کا شوق، علماء کی خاطر و تواضع و قدر دانی عوام کے ساتھ عدل وانصاف اور ان کی راحت رسانی کی فکر و خیال دامن گیر رہتا، ان کی مصروفیت ۱۶ ر گھنٹہ کی تھی کھانے کے معمولات میں ناشتہ اور شام کا کھانا تھا، انسانیت کو صحیح نہج پر لانے کے لئے مثالی اسلامی معاشرہ کا قیام ان کا ہدف تھا، جرأت و بہادری، رعب و دبدبہ، رحمدلی، کرم گستری، شفقت علی الخلق اور حب الوطنی سے متصف تھے، ان کا ذاتی کتب خانہ ایک اہم کتب خانہ تھا جس کی فہرست چارلس اسٹیورٹ نے ۱۸۰۹ء میں شائع کی تھی جس سے ان کی اعلیٰ علمی وادبی ذوق کا پتہ چلتا ہے، ۱۷۹۴ء میں ان کا ٹائپ کا پریس قائم کرنا اور اردو زبان کا اخبار جاری کرنا ان کی علم دوستی کی مزید شہادت دیتا ہے پروفیسر خلیق احمد نظامی ان کی وسیع القلبی کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

''ٹیپو سلطان نے مذہبی رواداری اور وسیع القلبی کی بھی شاندار

روایات قائم کیں، ڈاکٹر سالیٹور نے ان کی مذہبی فراخ دلی اور ہندو مذہب کے ساتھ مکمل رواداری کی تعریف کی ہے"(۱)

ان کی فراخ دلی اور رعایا پروری اس سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ انگریزوں کے عیسائی بنانے کی مہم میں ہندو عیسائیت کو قبول کرنے لگے تو انہوں نے ان لوگوں کو لکھا کہ وہ اپنے آبائی مذہب کو ترک نہ کریں تاریخ سلطنت خداداد کے مطابق جب چھ دفعہ لکھنے پر بھی اس کا اثر نہ ہوا تو آخر سلطان نے یہ فرمان جاری کیا "میں حکم دیتا ہوں کہ آئندہ تم میں کا کوئی شخص اپنا آبائی مذہب ترک نہ کرے اور اگر ایسا ہی تبدیلی مذہب کا شوق ہو تو خود اپنے بادشاہ کا جو ظل اللہ ہے مذہب اختیار کریں۔"(۲)

اسلامی حمیت ان میں درجہ اعلیٰ موجود تھی مگر سچے مسلمان کی طرح وہ تعصب سے بالکل پاک تھے، اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ آخری وقت تک سیکڑوں غیر مسلم ان کے یہاں اونچے عہدوں پر تھے۔

کچھ اہم کارنامے

حکومت کے لئے انہوں نے مختلف محکمے قائم کئے جو تعداد میں ننانوے تھے، ہر محکمہ کا ایک میر مقرر کیا، توشے خانے کو دو حصوں جنس اور

(۱) ماخوذ از مقدمہ کتاب سیرت سلطان ٹیپو شہید مصنفہ مولانا محمد الیاس ندوی

(۲) تاریخ سلطنت خداداد (بحوالہ انگریز مؤرخین) ص ۵۳۲

نقد میں تقسیم کیا، بحریہ کا مستقل محکمہ قائم کیا، فوجی قواعد کے لئے کتاب لکھوائی، فن جہاز سازی پر توجہ دی، مقناطیسی پہاڑوں سے جہازوں کو بچانے کے لئے لوہے کی جگہ تانبے کے پیندے کا استعمال ٹیپو سلطان ہی کی ایجاد ہے۔

تجارتی وصنعتی ترقی کے لئے ہندوستان میں پہلا قدم ٹیپو سلطان ہی نے اٹھایا، ریشم کی صنعت انہی کی مرہون منت ہے، شہتوت کے درختوں پر ریشم کے کیڑے پالنے کے لئے بڑے بڑے باغات لگوائے باوجود یہ کہ زیادہ تر وقت میدان جنگ میں گذرا پھر بھی جتنا وقت ملا عوام کی فلاح و بہبود کے لئے صرف کیا، سرکاری زمین پٹے اور ملکیت پر کاشت کے لئے دی، قیمتی اور مفید درختوں کی بہتات کی، زراعت کو ترقی دینے کے لئے دو بڑے باغ بنگلور اور سرنگا پٹنم میں لال باغ کے نام سے لگائے ان میں بنگلور کا لال باغ ملک وبیرون ملک میں اپنی شہرت و انفرادیت رکھتا ہے، سلطان کی شہادت کے ایک سال بعد ایک بڑے سیاح نے یہ شہادت دی تھی کہ "لال باغ میں ٹیپو نے تجربہ کے طور پر دنیا کے تمام درخت لگائے ہیں اور یہاں رات دن تجربہ ہوتا رہتا ہے کہ کون سے مفید درخت یہاں کی آب وہوا کے لحاظ سے موزوں ہو سکتے ہیں۔

مگر ان سب باتوں کے ساتھ سلطان کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے انگریزوں کے خلاف تحریک کو پوری سیاسی بصیرت، عسکری

مضبوطی اور بین الاقوامی تعارف کے ساتھ آگے بڑھانے کی کوشش کی عثمانیوں سے روابط قائم کیے، فرانسیسیوں سے انگریزوں کے خلاف معاہدے کیے، اپنے سفیروں کو فرانس، ترکی، ایران اور دوسرے ممالک میں بھیج کر بین الاقوامی سطح پر فضا ہموار کرنے کی کوشش کی، سلطان ترکی کے نام سلطان سلطنت خداداد کے ایک مکتوب کا اقتباس نذر ناظرین کیا جاتا ہے جس سے ان کے ہندوستان اور ممالک اسلامیہ کو مغربی قوموں سے بچانے کے لئے سلطان کی جدوجہد ومساعی جمیلہ کا پتہ چلتا ہے اور اسی میں ان کے کارناموں کی نشاندہی ہوتی ہے، ٹیپو سلطان لکھتے ہیں:

''نصاریٰ کے قلع وقمع کے لئے جہازات کی سخت ضرورت ہے اور بفضل خدا سلطنت خداداد جہازات کی تیاری میں مشغول ہے لیکن ان جہازات کی آمد ورفت اور طوفان کے وقت پناہ لینے کے لئے بندرگاہیں چاہئیں۔ اس لئے اگر بندرگاہ بصرہ سلطنت خداداد کو اجارہ پر دی جائے تو ان جہازوں کو پناہ کی جگہ مل سکے گی، اور اس کے ذریعہ ممالک اسلامیہ کے درمیان رسل ورسائل اور جہازات کی آمد ورفت ہمیشہ قائم رہے گی اور یہ امر دین محمد علیہ الصلوۃ والسلام کی تقویت کا باعث ہوگا۔ (۱)

دائرۃ المعارف اسلامیہ (اردو) لاہور میں ہے کہ ۱۷۸۴ء میں ٹیپو سلطان نے عثمان خاں کو سفیر بنا کر قسطنطنیہ بھیجا تھا تا کہ فوجی

اعانت، تجارت کی توسیع اور ماہرین فن کا حصول کیا جا سکے ایک غرض یہ بھی تھی کہ عثمانی سلطان جو کہ خلیفۃ المسلمین تھا اپنی بادشاہی کے لئے پروانہ تصدیق حاصل کیا جائے یہ سفارت کامیاب رہی بعد میں سلطان نے توپ، بندوق، چاقو، گھڑی وغیرہ کے کارخانے جاری کئے۔

سلطان ٹیپو شہید کو خراج عقیدت

سلطان ٹیپو شہید عالی حوصلگی، شجاعت و دلیری اور اولوالعزمی کے جوہر دکھا کر وسعت افلاک میں تکبیر مسلسل کے لئے مجاہدانہ و سرفروشانہ کردار پیش کر کے رب اعلیٰ سے جا ملے اور اپنی تعمیر کردہ مسجد اعلیٰ کے جوار میں آسودہ خاک ہو گئے، وہ تو اپنا کام کر کے چلے گئے مگر انہیں خراج عقیدت پیش کئے جانے کا ایک تسلسل ہے جو موافق و مخالف کی طرف سے ان کی عظمت و شرف کو بیان کر رہا ہے ہم اس وقت صرف چودھویں صدی ہجری میں ان کے فکری جانشین حکیمِ ملت اسلامیہ شاعر اسلام علاّمہ محمد اقبال کا تأثر پیش کرتے ہیں جو لاہور کے روزنامہ انقلاب میں شائع ہوا انہوں نے لکھا تھا کہ:

''سرزمین ہند میں اگر نیابت حقہ کے مقام تک کسی نے رسائی کی تو وہ ٹیپو ابن حیدر علیؒ تھا، اور اس کی نیابت الٰہیہ کی ایک

(۱) تاریخ سلطنت خداداد ص ۵۴۳

ادنیٰ سی جھلک صرف یہی سن کر آپ کی آنکھوں میں پھر جائے
گی کہ اس کی سلطنت کا نام دولت خداداد اور اس کے ایوان
عدالت کا نام دریادولت تھا'' (۱)

سلطان کی وصیت

سلطان شہید خلعت شہادت سے سرفراز ہو کر اپنے رب اعلیٰ
کے حضور جا پہنچے مگر وہ اپنے کردار وعمل سے وہ پیغام دے گئے جس کو اس
ملک کے لوگوں نے دانتوں تلے دبایا اور اس ملک سے انگریزوں کو نکالا
اور مسلم ریاست بھی حاصل کی، اقبالؔ نے ان کے کردار اور قول وقرار کو
اپنے کلام میں ان کی وصیت کے طور پر پیش کیا ہے وہ درج کیا جاتا ہے:

تو رہ نورد شوق ہے؟ منزل نہ کر قبول
لیلیٰ بھی ہم نشیں ہو تو محمل نہ کر قبول

اے جوئے آب بڑھ کے ہو دریائے تند وتیز
ساحل تجھے عطا ہو تو ساحل نہ کر قبول

کھو نا جا صنم کدۂ کائنات میں
محفل گداز گرمی محفل نہ کر قبول

صبح ازل یہ مجھ سے کہا جبرئیل نے

(۱) بشکریہ تاریخ سلطنت خداداد

جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول
باطل دوئی پسند ہے، حق لا شریک ہے
شرکت میانہ حق و باطل نہ کر قبول

اور بقول جگر کہ ؎

یہ مصرع کاش نقش ہر در و دیوار ہو جائے
جسے جینا ہو، مرنے کے لئے تیار ہو جائے

اور یہ کہ ؎

اک ایسی شان پیدا کر کہ باطل تھرتھرا اُٹھے
نظر تلوار بن جائے نفس جھنکار ہو جائے

سلطان کے اخلاف

مولانا الیاس ندوی کی تحقیق کے مطابق سلطان کی شہادت کے وقت سلطان کی والدہ، ایک بیوی سلطانہ بیگم، بھائی کریم شاہ، اکلوتی صاحبزادی اور ۱۲ صاحبزادے زندہ تھے جنہیں کلکتہ میں جلاوطنی کے ایام گزارنے پڑے، اور جب تیرھویں صدی ہجری کے مجدد و مجاہد اعظم امیر المومنین فی الہند حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ ۱۸۲۲ء میں اپنے وطن رائے بریلی سے حج کے لئے مکہ مکرمہ جاتے ہوئے کلکتہ میں رکے تو ان شہزادوں میں سے اکثر بقید حیات تھے حضرت سید صاحب نے ان

کی دعوت پر خود ان کے بنگلہ پر جا کر ملاقات کی جس کے بعد ان شہزادوں نے سید صاحب کے بزرگوں سے اپنے خاندان کے روحانی روابط کا حوالہ دے کر بیعت بھی کی جس میں خود سلطان کی بیگم، اور اکلوتی بیٹی بھی شامل تھیں اور بقول جناب خلیق احمد نظامی صاحب (سابق وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) ''جب جنگ ویلور کے بعد ٹیپو سلطان کے خاندان کا قافلہ شہر بدر ہو کر کلکتہ پہنچا تو سید احمد شہیدؒ کے دست حق پرست پر بیعت کی اور اسلامی ہند کی عظیم ترین تحریک جہاد میں شامل ہو گئے اس طرح سری رنگا پٹنم اور بالاکوٹ کی راہیں مل گئیں۔''

ظاہر میں ایک طرف تو اسلام کا سورج غروب ہوا مگر دوسری جانب ایک نئی شان سے طلوع ہوا، اور یہ آج پہلی یا آخری بار نہیں طلوع ہوا، تاریخ اسلام میں بار بار ایسا ہوتا رہا ہے یہ ایک تسلسل ہے جس میں انقطاع نظر نہیں آتا، تاریخ کے صفحات اس بات پر شاہد ہیں کہ جب کبھی عالم اسلام کے کسی حصہ پر مسلمانوں ہی کی کمزوری کے باعث افتاد پڑی تو فوراً ہی اس کی تلافی کسی دوسرے حصہ میں ہو گئی، یہی وجہ ہے کہ اسلام کا وجود اس کائنات میں کفر و باطل کے لئے ہمیشہ خطرہ بنا رہا ہے اور اقبال کی زبان میں یہ حقیقت اس طرح بار بار آشکارا ہوتی رہی ہے کہ

جہاں میں اہلِ ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں
اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے، اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے

قوت بازوئے اسلام تھی اس کی صولت
اس کی دولت کے دعاگووں میں شامل تھے ہنود

سلطان ٹیپو شہیدؒ

ایک مثالی حکمراں

(محرم ۱۱۹۶ھ تا ذی قعدہ ۱۲۱۳ھ)

دسمبر ۱۷۸۲ء مئی ۱۷۹۹ء

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی

سلطان ٹیپو شہید ایک مثالی حکمراں

الحمد لله و کفیٰ و سلام علیٰ عبادہ الذین

اصطفیٰ، أما بعد:

سلطان ٹیپو کی بنیادی خصوصیات

سلطان شہیدؒ کا نام آتے ہی ذہن ان کے مجاہدانہ کارناموں ان کے جذبۂ شہادت، ان کی غیرت وحمیت اور ذلت کے ساتھ زندگی گذارنے پر موت کو ترجیح دینے اور اپنے عصر کی ابھرتی ہوئی سب سے بڑی بیرونی طاقت سے ٹکر لینے کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، ان کا وہ تاریخی مقولہ کہ ''گیدڑ کی صد سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے'' مثل کی طرح مشہور ہے، ان کے تذکرہ میں ان کا یہ جملہ نمایاں طور پر نقل کیا جاتا ہے، اور ذہن اسی پر مرکوز ہو کر رہ جاتا ہے، ان کے اس جملہ کے ساتھ جنرل ہارس کا یہ تبصرہ کہ ''آج سے ہندوستان ہمارا ہے'' جو برطانوی جنرل نے ان کی شہادت کے وقت

۱۷۹۹ء میں کہا تھا وہ بھی ان کے تذکرہ میں اہمیت کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ برطانوی جنرل کے اسی جملہ سے ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک فوجی قائد کی شکست کو جو علاقائی حیثیت رکھتا ہے پورے ملک کی شکست کیوں قرار دیا گیا؟ اس کی تحقیق سے سلطان شہیدؒ کی دوسری خصوصیات جو بہادری کے ساتھ ان کی شخصیت میں پائی جاتی تھیں، جو دوسرے حکمرانوں میں نہیں تھیں علم میں آتی ہیں۔ ان خصوصیات میں ان کی علمی خدمات، اقتصادی اصلاحات، حوصلہ مندی، وسعت نظری، فطری صلاحیت، روحانی طاقت اور روحانی و مادی قوتوں سے ان کا تعلق نمایاں حیثیت رکھتی ہیں۔ اس وقت برطانیہ کے قدم ہندوستان میں جمے نہیں تھے، اس کو ابھی بہت سے معرکے سر کرنے تھے، جن کا سلسلہ ۱۸۵۷ء تک چلا، ہندوستان کے مختلف حصوں میں متعدد حکمرانوں سے انگریزوں کا مقابلہ تھا، لیکن اس جنرل نے اس علاقائی حکمراں کی شہادت کو اپنی مکمل کامیابی کی بنیاد کیوں قرار دیا؟ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سلطان ٹیپو میں بعض ایسی صلاحیتیں تھیں جو دوسرے حکام میں مفقود تھیں، جن کا اس نے اندازہ لگا کر یہ بات کہی تھی، اور وہ صلاحیتیں شجاعت کے علاوہ تھیں، اس لئے کہ ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں بھی انگریزوں کو سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

تاریخ کے مطالعہ سے اس کا اندازہ بخوبی کیا جا سکتا ہے کہ ہندوستان کے متعدد معرکوں میں انگریزی افواج کو سخت مزاحمت اور پسپائی کا سامنا کرنا پڑا، خود اودھ کی چھوٹی سی ریاست کو شکست دینے میں ان کو صرف اس وقت کامیابی حاصل ہوئی جب ان کو درباری خائنوں کا تعاون حاصل ہوا، ورنہ کئی بار جنگی محاذ پر ان کو پسپائی کا سامنا کرنا پڑا، تاریخ ہند ایسے باہمت، دلیر اور جذبۂ شہادت رکھنے والے قائدین کے تذکرہ سے معمور ہے جس کا سلسلہ ۱۸۵۷ء تک جاری رہا۔ حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک نے ایسے جانباز مجاہدوں کی ایک جماعت تیار کر دی تھی جنہوں نے انگریزوں سے سخت مقابلہ کیا، اور اس کا اعتراف خود انگریز مؤرخین نے کیا ہے۔

سلطان ٹیپو شہید کی زندگی کا مطالعہ کرنے سے جو عناصر سامنے آتے ہیں ان میں ان کا علمی ذوق بھی ہے۔ ان کے علمی ذوق اور علم کے فروغ کے لئے ان کی کوششوں کا انگریز مؤرخین اور برطانوی کمانڈروں نے بھی اعتراف کیا ہے، جنہوں نے غلبہ کے بعد حالات کا جائزہ لیا۔

علمی قابلیت اور علم دوستی

ٹیپو سلطان کو بچپن سے علم سے شغف رہا ہے، تاریخ سلطنت

خداداد میں اس کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا:

''ٹیپو سلطان میں بے حد علمی ذوق پایا جاتا تھا جس نے اس کے اندر مطالعہ کا شوق پیدا کر دیا تھا، کتابیں اس کی رفیق تھیں، اس کے خطوط اس کی قابلیت اور صلاحیت اور باریک بینی کے آئینہ دار ہیں، نوعمری ہی سے ٹیپو میں تحقیق اور علمی جستجو کا جذبہ پیدا ہو گیا تھا، اس کے اس انہماک کو دیکھ کر اس کے والد حیدر علی خان نے بڑی شفقت سے کہا: ''سلطنت کے لئے قلم سے زیادہ تلوار کی ضرورت ہے، اس کے بعد ان کے والد نے ان کو فنون سپہ گری اور شہ سواری سکھانے کے لئے ماہرین فن اصحاب کی خدمات حاصل کیں۔''

ان امور سے دلچسپی اور جنگوں میں مشغولیت کے باوجود سلطان کے علمی انہماک میں کوئی فرق نہیں آیا، اس کا اعتراف خود انگریز مؤرخین نے اور فوجی کمانڈروں نے کیا ہے جنہوں نے سلطان کی زندگی اور ان کے علمی آثار کا مطالعہ کیا ہے یا مشاہدہ کیا ہے۔

کرنل کرک پیٹرک نے جس کے ذمہ بعد زوال سلطنت خداداد ٹیپو سلطان کا ذاتی کتب خانہ تھا، اپنی کتاب کے دیباچہ میں لکھتا ہے:

''سلطان کی تحریر دوسروں کی تحریر سے بالکل علیحدہ تھی، اس کی تحریریں اس قدر مختصر اور پُرمعنی ہیں کہ ایک ایک لفظ سے کئی

کئی معنی نکلتے ہیں۔"

سلطان اعلیٰ نثر نگار اور باکمال شاعر تھا، علم سے ذاتی دلچسپی کی دلیل وہ اہم کتابیں ہیں جو ان کی نگرانی میں لکھی گئیں، ان میں متعدد مضامین اور اشعار خود سلطان کے ہیں۔

ٹیپو کے کتب خانہ کے نظم کے بارے میں میجر اسٹوارٹ اور پروفیسر آر ایس گھوش لکھتے ہیں:

"کتب خانہ کی ترتیب وتہذیب کے لئے ایک مہتمم مقرر تھا، سلطان کو تصنیف و تالیف کا بڑا شوق تھا، سلطان کے قلم اور فرمائش سے متعدد کتابیں لکھی گئیں، یہ کتابیں زیادہ تر فوجی اور دیوانی معاملات سے متعلق تھیں۔"

سلطان کے فرامین یورپ کے کتب خانوں میں محفوظ ہیں، سلطان جس کتاب کا مطالعہ کر چکتے اس پر وہ مہر لگا دیتے، اس طرح اکثر کتابوں پر ان کی مہریں لگی ہوئی ہیں۔

تاریخ سلطنت خداداد کے مطابق کلکتہ کی ایشیاٹک سوسائٹی بنگال میں ٹیپو سلطان کی چودہ کتابیں موجود ہیں، اس کے علاوہ اردو کی تمام کتابیں انڈیا آفس لائبریری لندن میں موجود ہیں، جن کا ذکر میجر اسٹوارٹ نے اپنی مرتبہ فہرست میں کیا ہے۔

اس کے کتب خانہ اور علمی اشتغال کا ذکر اکثر مورخین نے کیا

ہے، An Advanced History of India میں سلطان کی اس خصوصیت کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

''ایک صالح اخلاقی کردار کا انسان، اپنے طبقہ کی مروجہ برائیوں سے پاک، وہ خدا پر قوی ایمان رکھنے والا تھا، وہ بہت ہی تعلیم یافتہ تھا، فارسی، کنڑ، اردو، روانی سے بولتا تھا، اور ایک بیش قیمت کتب خانہ کا مالک تھا، ایک بہادر سپاہی اور ایک ہوشیار کمان دار کے ساتھ ساتھ ٹیپو ایک اعلیٰ درجہ کا سیاست کار بھی تھا۔''

مؤرخ آگے لکھتا ہے:

''اس نے ملک کی آزادی کو دوسری چیز سے بلند تر سمجھا، اور اس کی حفاظت کی کوشش کرتے ہوئے جان دی، اس کے حسن انتظام کے متعدد انگریز مؤرخین معترف ہیں۔

غیر مسلموں کے ساتھ اس کا سلوک رواداری پر مبنی تھا، اس کے متعدد خطوط سے اس کا پتہ چلتا ہے کہ وہ ہندو رائے عامہ کو ہموار کرنا چاہتا تھا، وہ اگرچہ متقی مسلمان تھا، مگر اس نے ہندو رعایا کے ساتھ کسی تمیز کا معاملہ نہیں کیا، اگرچہ بعض انگریز مؤرخوں نے اس کا الزام لگایا ہے۔''

ٹیپو کی مقبولیت:

کیپٹن تسل جو میسور کی تیسری جنگ میں ایک انگریز افسر کی حیثیت سے نمایاں حصہ لے چکا ہے اپنی یادداشتوں میں لکھتا ہے:

''ٹیپو کے متعلق بہت سی افواہیں سنی جاتی ہیں کہ وہ جابر و ظالم حکمراں ہے، جس کی وجہ سے اس کی رعایا بیزار ہے، لیکن ہم جب اس کے ملک میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ صنعت و حرفت کی روز افزوں ترقی کی وجہ سے نئے نئے شہر آباد ہوئے، اور ہوتے جارہے ہیں، رعایا اپنے کاموں میں مصروف و منہمک ہے۔''

وہ آگے لکھتا ہے:

''فوج کی تنظیم اور اس کے ہتھیاروں کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ یورپ کے کسی مہذب ملک کی فوج سے کسی حالت میں پیچھے نہیں ہے۔''

ایک دوسرا مورخ لکھتا ہے:

''جس وقت انگریزی فوج ٹیپو کے ملک میں داخل ہوئی تو دیکھا کہ تمام رعیت ہندو اور مسلمان نہایت خوش حال ہے، تمام ملک سرسبز ہے، زراعت اچھی ہورہی ہے، کل رعیت سلطان

کے نام پر فدا ہے، جس وقت انگریزی فوج سرنگا پٹم میں داخل ہوئی تو وہاں کے لوگوں نے اپنی دولت انگریزوں کے سامنے لاکر رکھ دی کہ وہ سلطنت کو ٹیپو کے خاندان میں چھوڑ کر چلے جائیں۔"

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ "جس وقت انگریزی فوج لوٹ مار میں لگی ہوئی تھی مسلم وغیر مسلم عوام وخواص ٹیپو سلطان کی لاش کے ارد گرد جمع ہو گئے اور سب کی آنکھوں میں آنسو تھے، اور وہ سب غمزدہ تھے" سلطان ٹیپو مدبر، صاحب بصیرت اور انتظامی صلاحیت رکھنے والے اور عالمی رسوخ رکھنے والے حاکم تھے جن کے روابط علاقہ کے حدود سے باہر بڑی طاقتوں سے قائم تھے، جو برطانیہ کی طاقت وقوت اور عزائم کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہوں، بلکہ اسکی منافس اور معاند ہوں، ان کے اندر وہ جذبہ تھا جو ناقابل تسخیر تھا، اور ایسی آگ سلگ رہی تھی جو ان کو بے چین کر رہی تھی، وہ ایک بڑی ترقی یافتہ امپائر قائم کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے، اور ان کے اندر وہ ذہنی، عقلی، علمی اور روحانی طاقت تھی جو کسی دوسرے حاکم میں نہیں تھی، اسی لئے ان کی شہادت کو ایک علاقہ کی جنگ کا انجام نہیں قرار دیا گیا، بلکہ پورے ہندوستان کی فتح کا پیش خیمہ قرار دیا گیا۔ یہ جملہ اگر مغلیہ سلطنت کے ختم ہونے کے وقت کہا گیا ہوتا تو قابل فہم تھا، اور طبعی تھا۔ یہ انگریزوں کی شخصیت

شناسی کی دلیل ہے۔

برطانوی جنرل کے اس جملہ سے اس کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ اب کوئی حکمراں ایسی صلاحیت کا مالک نہیں ہے جس کو زیر کرنا اتنا دشوار ہو جتنا دشوار اس حاکم کو کرنا تھا، فوجی طاقت کا مقابلہ ایک معرکہ میں نہیں تو دوسرے معرکہ میں، تیسرے معرکہ میں کیا جا سکتا ہے، اس کے لئے دوسرے ذرائع استعمال کئے جا سکتے ہیں، لیکن عقل و تدبر، روحانیت، جذبہ اور انتظامی صلاحیت فوجی طاقت سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے، اس کے سامنے فوجی طاقت ایک خادم کی حیثیت رکھتی ہے، وہ ایک محاذ پر شکست ہو تو دوسرا محاذ کھول سکتی ہے، جنگ کا دائرہ وسیع کر سکتی ہے، وہ جنگ کا میدان اور حکمت عملی بدل سکتی ہے، وہ علاقائی جنگ کو عالمی جنگ میں تبدیل کر سکتی ہے۔ برطانیہ کا اس وقت سب سے بڑا منافس ملک فرانس تھا، فرانس سے بھی سلطان ٹیپو کا رابطہ قائم تھا، دوسری طاقت عثمانی خلافت اور یورپ کی دوسری حکومتیں تھیں، اور ہندوستان کے مختلف علاقائی حکمراں تھے جن سے سلطان ٹیپو نے رابطہ قائم کیا تھا، سلطان ٹیپو شہید کی زندگی کے مطالعہ سے اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے جنگ کا جو نقشہ تیار کیا تھا وہ برطانیہ کے لئے بڑا چیلنج تھا۔ خدا کی حکمت خدا ہی جانتا ہے، ورنہ حالات اور ان کے کمالات اور امکانات سے اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا کہ ان کو اس

معرکہ میں ناکامی ہوگی، خیانت اور غداری کو بھی اس کا سبب نہیں قرار دیا جاسکتا، اسلئے کہ اس کا امکان ہر جنگ میں رہتا ہے، اور ہر مدبر حاکم کو اس کی پیش بندی کرنی پڑتی ہے، اور اس میں سلطان ٹیپو سے غفلت برتنے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

سلطان شہیدؒ کی ان خصوصیات کی طرف مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی صاحب ندویؒ نے اشارہ کیا ہے، وہ مولانا محمد الیاس بھٹکلی ندوی کی کتاب ''سیرت سلطان ٹیپو'' کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

''سب سے پہلا شخص جس کو اس خطرہ (انگریزوں کا غلبہ) کا احساس ہوا وہ میسور کا بلند ہمت، بلند نگاہ اور غیور فرماں روا فتح علی خاں ٹیپو سلطان (۱۲۱۳ھ-۱۷۹۹ء) تھا جس نے اپنی بالغ نظری اور غیر معمولی ذہانت سے یہ بات محسوس کر لی کہ انگریز اسی طرح ایک ایک صوبہ اور ایک ایک ریاست ہضم کرتے رہیں گے، اور اگر کوئی منظّم طاقت ان کے مقابلہ پر نہ آئی تو آخر کار پورا ملک ان کا لقمۂ تر بن جائے گا۔

ٹیپو نے ہندوستان کے راجاؤں، مہاراجوں، اور نوابوں کو انگریزوں سے جنگ کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی، انہوں نے سلطان ترکی سلیم عثمانی اور دوسرے مسلمان حکمرانوں

اور ہندوستان کے امراء ونوابوں سے خط وکتابت کی، اور اپنے سفراء کو فرانس، ترکی، ایران اور دوسرے ممالک میں بھیج کر بین الاقوامی سطح پر فضا ہموار کرنے کی کوشش کی۔ ''

ان صلاحیتوں کا ذکر کر کے مولاناؒ تحریر فرماتے ہیں:

''ہندوستان کی تاریخ سلطان ٹیپو سے زیادہ بلند ہمت، بالغ نظر، مذہب ووطن کے فدائی اور غیر ملکی اقتدار کے دشمن سے آشنا نہیں، ان غیر معمولی صلاحیتوں کی وجہ سے ٹیپو سلطان سے زیادہ مہیب اور قابل نفرت شخصیت انگریزوں کے لئے کوئی نہ تھی''

انگریز قائد نے اسی بنیاد پر کہا کہ آج سے ہندوستان ہمارا ہے۔

سلطان ٹیپو کی روحانیت

ٹیپو سلطان کی شخصیت کے عناصر کا تجزیہ کیا جائے تو اس میں ایمان ویقین، روحانیت، عقل وتدبر، علم وحکمت، حسن انتظام وتدبیر مملکت، عوام کی خیر خواہی اور ان کی ترقی وخوشی کی فکر، دین اور دنیا کا اجتماع، علم وعشق کا حسن امتزاج ان کی شخصیت کے اہم عناصر نظر آتے ہیں۔

وہ ایک طرف مجاہد تھے اور عسکری صلاحیتوں کے مالک۔ انھوں نے متعدد فوجی معرکوں میں اپنے سے زیادہ طاقت رکھنے والے

دشمن کا مقابلہ کیا اور کامیابی حاصل کی۔ وہ انتظامی صلاحیت میں بھی امتیازی حیثیت کے مالک تھے۔ انھوں نے اپنی مملکت کے اقتصادی، تعلیمی، سماجی اور معاشی مسائل کو حل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا، اور ایک رفاہی ریاست کے قیام کا تصور رکھتے تھے، اسی کے ساتھ وہ بڑے عابد وزاہد تھے، رھبان باللیل وفرسان فی النھار کی مثال تھے، اور ناقابل تسخیر عزم کے ساتھ، خدا پر یقین رکھتے تھے، اس کے لئے دو واقعات بیان کرنا کافی ہیں، جن کا ذکر مولانا الیاس بھٹکلی نے اپنی کتاب میں کیا ہے:

"اس کی دینداری وتقوی کا یہ عالم تھا کہ جنگوں میں مصروف رہنے کے باوجود بلوغ کے بعد اس کی کوئی نماز قضا نہیں ہوئی، جنگ کے ایام ہوں یا اس کے علاوہ، اس نے فجر بعد کی تلاوت کا کبھی ناغہ نہیں کیا، باوضو رہنے کا عادی تھا۔

سری رنگا پٹنم میں مسجد اعلیٰ کے افتتاح کے موقع پر اندرون وبیرون سلطنت سے سینکڑوں علماء وقت کو دعوت دے کر بلایا گیا اور یہ طے کیا گیا کہ کوئی صاحب ترتیب بزرگ پہلی امامت کریں گے، لیکن جب موقع آیا تو کوئی ایک عالم یا بزرگ بھی اپنے بارے میں یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ صاحب ترتیب ہے۔ جب پورے مجمع سے ایک شخص بھی

صاحب ترتیب نہیں نکلا تو سلطان ٹیپو خود آگے بڑھے اور کہا:

الحمدللہ میں صاحب ترتیب ہوں"

۱۷۸۸ء میں جب دھاڑوار کے قلعہ پر سلطانی افواج کے قبضہ کے لئے دریائے تنکھج دوا کی طغیانی حائل ہوگئی تو سلطان ہی کے حکم سے دریائے نیل میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے گولے داغے گئے، اور دیکھتے ہی دیکھتے اچانک طغیانی، بارش کے تسلسل کے باوجود کم ہونے لگی، اور سلطان نے دریا میں اپنا گھوڑا ڈال کر اپنی پوری فوج کے ساتھ دریا عبور کر کے اس طرف موجود دشمنوں کے خیموں پر دھاوا بول دیا، یہ واقعہ جب اس کے دشمنوں نے دیکھا تو وہ اس کی ولایت کے قائل ہو گئے۔

سلطان ٹیپو کی روحانیت اور دینی غیرت کا مصدر

سلطان ٹیپو شہید جن کی شریعت کی اتباع، روحانیت، ولایت اور دینی غیرت کے چند واقعات اوپر بیان کئے گئے جن کی مثال مسلم حکمرانوں کے تذکروں میں، بلکہ بعض صالحین اور مصلحین کے تذکروں میں مشکل سے ملے گی، ان کی ان خصوصیات کا منبع کیا ہے؟، وہ ظاہر ہے شاہی خاندان کے نظام تربیت سے حاصل ہونے والی نہیں ہیں، فروسیت، شجاعت اور قربانی کا جذبہ، یہ خاندانی صفات ہو سکتی ہیں، اس

لئے کہ ان کے والد حیدر علی خود ان صفات سے متصف تھے، اور انھوں نے ان کی تعلیم و تربیت کا خصوصی نظم کیا تھا، لیکن اس تربیت کا اثر شعور اور وجدان پر نہیں پڑتا۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندویؒ نے کاروانِ زندگی میں جہاں اپنے خاندان کے اسلاف کا تذکرہ کیا ہے، وہیں شاہ ابوسعید صاحب جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے عصر کے بزرگ ہیں کے تذکرہ میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

''خاندانی روایتوں اور حضرت سید احمد شہیدؒ کے تذکروں سے اس کا بھی پتہ چلتا ہے کہ سلطان شہید سلطان ٹیپوؒ جو

ترکش مارا خدنگ آخریں

کا مصداق صحیح اور ہندوستانی مسلمانوں کی خودداری، مومن کی فراست اور مجاہد کی غیرت ایمانی کی آخری نشانی تھے، اور جس نے گیدڑ کی سو سالہ زندگی پر شیر کی ایک دن کی زندگی کو ترجیح دے کر انگریزی افواج کے مقابلہ میں سرنگا پٹن کے معرکہ میں شہادت سے سرخرو ہو کر مسلمانوں بلکہ پورے ہندوستان کی عزت رکھ لی، وہ اور ان کا خاندان حضرت ابوسعید اور ان کے جلیل القدر فرزند حضرت شاہ ابواللیث سے جو سید احمد شہید کے حقیقی ماموں تھے، بیعت وارادت کا تعلق رکھتے تھے۔

حضرت شاہ ابواللیث صاحب کا ۱۲۰۸ھ میں سلطان ٹیپوؒ کی حیات میں سفر حج سے واپس ہوتے ہوئے کوڑیال بندر (جواب منگلور کہلاتا ہے) جو سلطان ٹیپو کی قلمرو میں شامل تھا، اترنا اور مختصر علالت کے بعد وہیں انتقال کرنا اور مدفون ہونا بتاتا ہے کہ اس شاخ سے اس خاندان کا تعلق تھا۔

اس کی توثیق سیرت سید احمد شہید میں وقائع احمدی سے منقول اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ سید صاحب کے کلکتہ کے قیام کے دوران سلطان ٹیپو کے جو شہزادے اور شہزادیاں کلکتہ میں نظر بند تھے ان کی طرف سے محمد قاسم نام کے ایک خواجہ سرانے آکر دریافت حال کیا، اور شاہ ابو سعید صاحب اور شاہ ابو اللیث سے خاندان کے تعلق کا ذکر کیا، سید صاحب نے فرمایا کہ سید ابو سعید ہمارے نانا اور سید ابواللیث ہمارے ماموں ہیں، دوسرے روز شہزادوں کا پیغام آپ تک پہنچا کہ آپ ہمارے خاندان کے پیرو مرشد ہیں، ہم لوگوں کی بڑی بے نصیبی ہے کہ تمام اہل شہر آپ کے شرف بیعت سے مشرف ہوں اور ہم اس نعمت سے محروم ہیں، آپ غریب خانہ پر تشریف آوری اور دیدار فیض آثار سے ہم کو محظوظ کریں، حضرت سید صاحب تشریف لے گئے اور یہ سب بیعت سے فیض یاب ہوئے۔

اس واقعہ سے اس بات کی توثیق ہوتی ہے کہ اس خاندان کا شاہ

علم اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان سے ایسا تعلق تھا کہ اس کو خاندان کے سارے افراد جانتے تھے، اور یہ عقیدت نسلاً بعد نسل منتقل ہوتی رہی۔

سلطان شہیدؒ کی ان خصوصیات کو جو ان کو دوسرے حکمرانوں سے ممتاز کرتی ہیں ان کی شجاعت اور آزادی کی تحریک میں ان کے کردار کے بیان میں مؤرخین نظر انداز کردیتے ہیں، جو ان کی زندگی کے سارے پہلوؤں کی روح اور جوہر اصلی اور محرک اساسی ہیں، اور جو اُن کی عظمت، ہیبت اور رعب کا باعث ہیں۔ ان کی مثال اس قوت سے دی جاسکتی ہے جو قوت پیدا کرنے والی ہو، جو دوسرے کو متحرک اور منتقل کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو، اور اسی محرک صلاحیت کا اندازہ انگریز جنرل نے کیا تھا، اور اس نے اندازہ کرلیا تھا کہ شعلوں کا بجھانا آسان ہے، لیکن جس گرمی سے شعلہ بنتا ہے اس حرارت کا مسخر کرنا ایک بڑا کارنامہ ہے، اور تاریخ نے اس کی تصدیق کی۔ ایک انگریز مؤرخ نے بھی اس کی توثیق کی کہ سلطان ٹیپو کی اگر موت نہ ہوتی تو ہندوستان میں انگریزوں کے قدم جم نہ سکتے۔

سلطان ٹیپو کا حسن انتظام، رعایا کی فلاح و بہبود کی فکر، غیر مسلموں کے ساتھ روادارانہ رویہ، علم کے فروغ کے لئے ان کی کوشش جامع الامور کا قیام، کارخانوں کے قیام کی کوشش، دین اور دنیا کو جمع کرنے میں ان کا قائدانہ کردار، یہ سارے عناصر دوسرے حکمرانوں

کے تذکروں میں متفرق طور پر ملتے ہیں جو ان میں مجتمع تھے۔

عالمی تاریخ اور اسلامی تاریخ پر گہری نظر رکھنے والے، تذکرہ نگار اور مؤرخ مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے دعوت وعزیمت کی مفصل تاریخ لکھی ہے ان کا یہ بیان کہ ہندوستان کی تاریخ سلطان ٹیپو سے زیادہ بلند ہمت، بالغ نظر، مذہب ووطن کے فدائی اور غیر ملکی اقتدار کے دشمن سے آشنا نہیں ہے، ان کی اسی خصوصیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

سلطان ٹیپو کی دفاعی حکمت عملی:

سلطان ٹیپو کی اہمیت کو سمجھنے کے لئے اس عہد کے دوسرے حکمرانوں کی ذہنی، فکری صلاحیتوں اور ان کے سیاسی، دفاعی، اقتصادی، علمی اور تعلیمی نظام کا جائزہ لینا ضروری ہے، اور ان کے علاقوں میں امن وقانون اور رعایا کے مختلف طبقات کے تعلقات اور عوام وخواص کے اعتماد اور تعاون کا مطالعہ کر کے ان کے اور سلطان ٹیپو شہید کے درمیان مختلف شعبوں میں جو فرق ہے اس کا جائزہ لینا چاہیئے ، اس طرح سلطان شہید کی شخصیت کی اہمیت کا صحیح اندازہ کیا جا سکتا ہے، اور اس سے انگریز جنرل کے اس تبصرہ کو سمجھا جا سکتا ہے کہ آج سے ہندوستان ہمارا ہے۔ اور اگر یہ روایت صحیح ہے کہ ان کے عہد میں راکٹوں کا تجربہ کیا

گیا تھا اور جدید اسلحہ کی تیاری اور بحری قوت بڑھانے کے انتظامات کیئے گئے تو ان کی دفاعی میدان میں دوسرے حکمرانوں پر مزید برتری کا ثبوت ملتا ہے، اس لئے کہ صرف ذاتی شجاعت، ہمت و جرأت جنگ جیتنے کے لئے کافی نہیں ہوتی، جب تک کہ وسائل حرب اور ان کی مزید ترقی کی صلاحیت نہ ہو۔ اس کے لئے علم اور ٹیکنالوجی کی ضرورت ہے، اور علم اور ٹیکنالوجی کو ترقی دینے کے لئے ان کے اداروں اور باصلاحیت تربیت دینے والے افراد کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان کے بعض اقدامات سے اس کی توثیق ہوتی ہے۔

اس کی تصدیق صدر جمہوریہ ہند اے پی جے عبد الکلام کی تحریر کردہ خود نوشت سوانح میں درج ان کے بیان سے ہوتی ہے کہ بیسویں صدی میں راکٹ بنانے میں ہندوستان کی ترقی دراصل ٹیپو کے خواب کی بحالی ہے، ملک میں راکٹ سب سے پہلے شیر میسور ٹیپو سلطان نے بنوائے تھے، ان کے کہنے کے مطابق ۱۷۹۹ء میں تروخانہ پلی کی لڑائی میں ٹیپو کی موت ہوگئی تو اس کے بعد انگریزوں نے ۷۰۰ راکٹ اور ۹۰۰ راکٹوں کے ذیلی نظام اپنے قبضہ میں لے لئے تھے۔

بحری طاقت بنانے کے سلسلہ میں تاریخ سلطنت خداداد میں تحریر ہے کہ سلطان نے تخت نشیں ہوتے ہی اس جانب پوری توجہ دی، اس کا ارادہ تھا کہ ایک ایسا زبردست بحری بیڑہ بنایا جائے جو ساحل ہند

کی حفاظت کے علاوہ ان تمام بحری راستوں کی بھی نگرانی کرے جن سے ہوکر مغربی قومیں ہندوستان آرہی ہیں، اس مقصد کے لئے انھوں نے بندرگاہ بصرہ، بوشہر، عمان اور عدن کا انتخاب کیا، بھٹکل میں بحری مدرسہ کے قیام کا بھی ذکر کتابوں میں ملتا ہے۔

مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی علیہ الرحمہ نے مسلمانوں کے لئے دوبارہ قیادت میں آنے کے لئے جو اصول بیان کئے ہیں ان میں سے اکثر سلطان ٹیپو شہید کے اقدامات پر منطبق ہوتے ہیں، ''اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش'' کے آخر میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اور اسی بنیاد پر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے سلطان ٹیپو کو بے مثال حکمراں قرار دیا ہے۔

عالم اسلام کا سب سے بڑا خلا

عالم اسلام کا اس وقت سب سے بڑا خلا اس قائد اور حوصلہ مند انسان کا فقدان ہے جو مغربی تہذیب کا جرأت، اعتماد اور یقین کے ساتھ سامنا کرے، اور اس تہذیب جدید کے مختلف سانچوں، مختلف مکاتب فکر اور راستوں کے درمیان ایک نیا راستہ پیدا کرے، ایسا راستہ جس میں وہ تقلید، نقل، غلو اور انتہا پسندی سے بالاتر نظر آئے اور ظاہری اشکال، مظاہر اور سطحی نقطۂ نظر سے بلند ہو، حقائق اور وسائل، قوت اور

مغز کی طرف متوجہ ہواور اس کے ظاہری خول میں نہ الجھے۔

عالمِ اسلام کا مردِ کامل:

ایسا مردِ کامل اور عبقری (Genius) جو اپنے ملک اور اپنی قوم کے لئے ایک ایسی نئی شاہراہ کھولے جس میں ایک طرف وہ ایمان ہو جو محض نبوت کا فیض ہے، وہ دین ہو جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ اس امت کو عطا کیا، دوسری طرف وہ علم ہو جو کسی خاص ملک یا قوم یا زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں، وہ دین سے نیک خواہشات اور جذبات اخذ کرے جو انسانیت کی خدمت اور تہذیب کی تشکیل وتعمیر کے لئے سب سے بڑا ذخیرہ اور سب سے بڑی دولت ہے، وہ صحیح اور صالح مقاصد حاصل کرے جو صرف آسمانی مذہب اور صحیح دینی تربیت سے حاصل ہو سکتے ہیں، اس کے ساتھ مغربی تہذیب کے وہ پیدا کردہ وسائل اور آلات حاصل کرے جو اس کو طویل علمی سفر اور مسلسل اور سخت جدوجہد کے بعد حاصل ہوئے ہیں، لیکن ایمان اور نیک مقاصد کے فقدان کی وجہ سے ان سے صحیح فائدہ نہیں اٹھایا جا سکا، بلکہ ان کو انسانیت کشی اور تہذیب دشمنی یا بہت حقیر مقاصد کے لئے استعمال کیا جاتا رہا۔

وہ عالی دماغ، حوصلہ مند انسان جو مغربی تہذیب اور اس کے تمام نظریات انکشاف اور قوتوں کے ساتھ خام مال (Raw Material)

کا سا معاملہ کرے اور اس سے ایک نئی اور طاقت ور تہذیب کی عمارت تعمیر کرے، جو ایک طرف ایمان، اخلاق، تقویٰ، رحم دلی اور انصاف پر قائم ہو۔ دوسری طرف اس میں اس کی مخصوص ذہانت، قوت ایجاد اور جدت فکر جلوہ گر ہو، وہ مغربی تہذیب کو اس نظر سے نہ دیکھے کہ وہ تکمیل و ترقی کے آخری مراحل سے گزر چکی ہے، اور اس پر آخری مہر لگ چکی ہے، اور اب اس میں کسی ترمیم و اضافہ کی گنجائش نہیں ہے، اور اس کو جوں کا توں اور اس کے سارے عیوب کے ساتھ قبول کرنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں ہے، بلکہ اس پر علیحدہ علیحدہ اجزاء کی حیثیت سے نظر ڈالے، جس چیز کو چاہے رد کرے اور جس چیز کو چاہے اختیار کرے، اور پھر اس سے زندگی کا ایک ایسا ڈھانچہ تیار کرے جو اس کے مقاصد، اس کے عقیدہ، اس کے مبادی اور اصول اخلاق کے ساتھ ہم آہنگ ہو، اسلام نے اس کو زندگی کا جو ضابطہ، دنیا کا جو مخصوص نقطۂ نظر، بنی نوع انسان کے ساتھ معاملہ کرنے کے لئے جو خاص احکام اور آخرت کے لئے مسلسل جدوجہد اور جہاد کا جو جذبہ عطا کیا ہے اس پر مبنی ہو، اور اس سے وہ زندگی وجود میں آئے جس کے متعلق قرآن نے شہادت دی ہے :

مَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُوْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ O (النحل:۹۷)

''جو شخص نیک عمل کرے گا مرد ہو یا عورت، اور وہ ایمان بھی رکھتا ہو تو ہم دنیا میں بھی اس کی زندگی اچھی طرح بسر کرائیں گے اور ان کو آخرت میں بھی ان کے بہترین اعمال کا صلہ ضرور عطا فرمائیں گے''
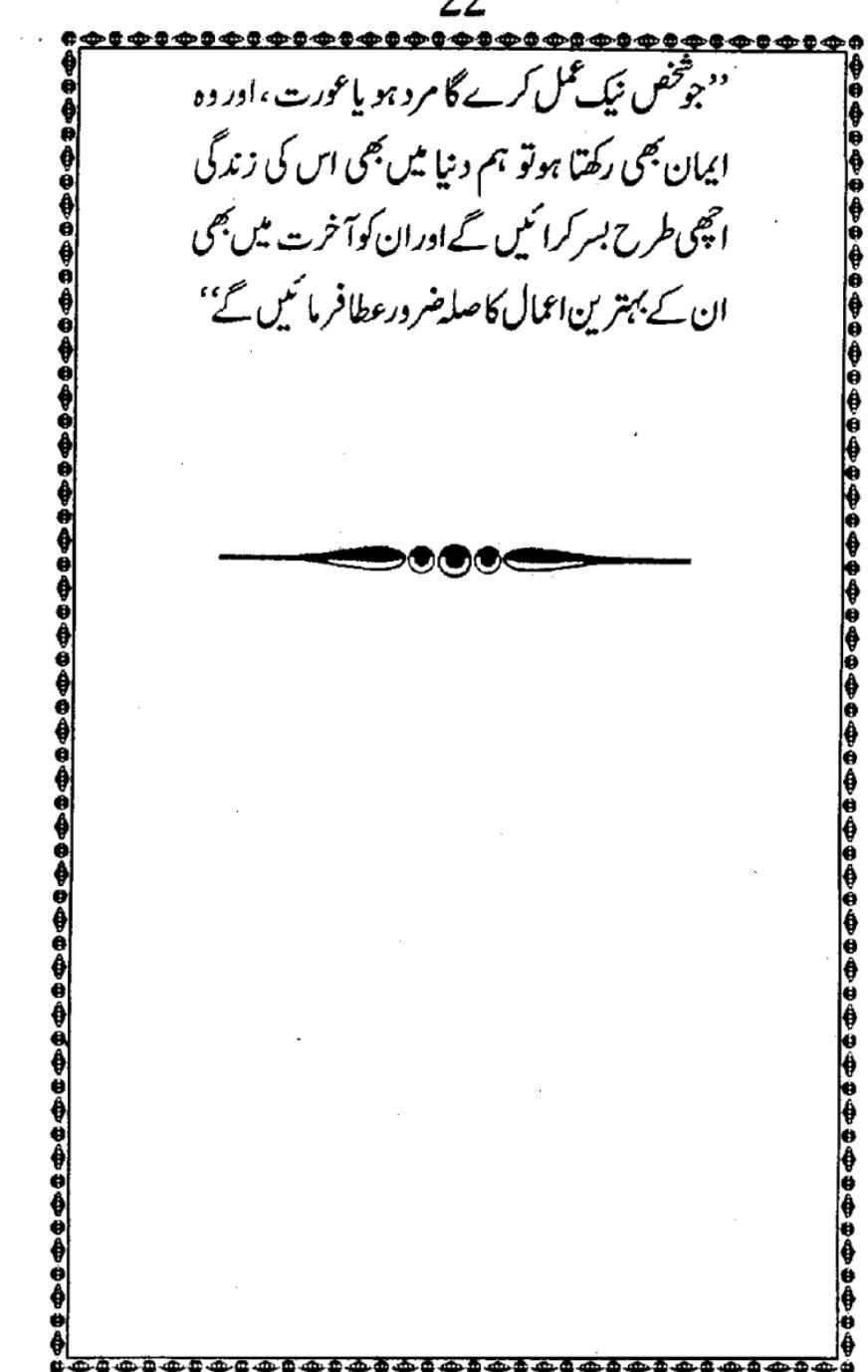
مراجع

(۱) تحریک آزادی کا امام: ٹیپو سلطان از محمود علی

(۲) سلطان ٹیپو شہید از ڈاکٹر دبیر احمد

(۳) ٹیپو سلطان از پروفیسر عبد المغنی

(۴) جنگ آزادی کا امام ٹیپو سلطان از محمود علی

(۵) سیرت سید احمد شہید از حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

(٦) کاروان زندگی از حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

(۷) The Sunset at Srirangapatnam after the death of Sultan Tipoo by Moinuddin

(۸) سیرت سلطان ٹیپو شہید از مولانا الیاس بھٹکلی

(۹) اسلامیت و مغربیت کی کشمکش از حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

(۱۰) تاریخ سلطنت خداداد از محمود خاں محمود بنگلوری

صاحب بصیرت وصاحب حمیت وعزیمت سلطان ☆

تاریخ ساز انسان ٹیپو شہیدؒ کی زندگی میں دو صفتیں ہمارے لئے درس حکمت رکھتی ہیں، ایک ان کی اولوالعزمی اور دوسرے ان کی بصیرت۔ اوران کی زندگی میں ان دونوں صفتوں کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ تھا۔ ان کی بصیرت جو کہتی تھی ان کی اولوالعزمی اس کو بروئے کار لانے کی کوشش کرتی تھی، ہندوستان کے اس پُر زوال عہد میں جب کہ سات سمندر پار کی ایک اجنبی اور عیار طاقت اپنی ذہانت اور تدبیر سے کام لے کر اس گلستان ہند کے ایک ایک قطعہ کو سلاسل غلامی میں باندھتی چلی جارہی تھی، اور ہمارے اس دیس کے رکھوالے بے بصیرتی کا شکار ہوکر

☆ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء کا یہ فکر انگیز اور چشم کشا مضمون ٹیپو سلطان شہید کے متعلق بنگلور کے ایک سیمینار میں صدارتی خطبہ کے طور پر پیش کیا گیا یہ سیمینار ۲۷ر جون ۲۰۰۰ء کو بعنوان ''حضرت فتح علی ٹیپو سلطان شہید، حیات اور کارنامے'' منعقد ہوا تھا۔ (مرتب)

اس کے پابجولاں ہوتے جارہے تھے، یہ وہ وقت تھا جب کہ یوروپین دنیا میں علمی شغف کے بڑھتے ہوئے اثر سے وہاں کی طاقتیں اپنے ملک سے نکل کر اپنی تحقیق وایجاد کے ذریعہ حاصل کردہ ذرائع ووسائل سے دوسرے ملکوں کو اپنا زیر اثر بنا رہی تھیں، انہی میں سے برطانوی حکومت کے سیلابی اثر رکھنے والے حملوں کو روکنے کے لئے سلطان شہیدؒ نے بند باندھنے کی کوششیں کیں، وہ کوششیں ایسی تھیں کہ اگر کامیاب ہوجاتیں تو اس غیر ملکی طاقت کو یہ کہہ کر کہ "آج سے ہندوستان ہمارا ہے" مکمل ڈیڑھ سو سال تک اس ملک کے اطراف واکناف کو اپنے پیروں تلے روندنے کا موقع نہ ملتا، اور ہزاروں ہزار ذی علم وذی وقار بے گناہ شخصیتوں کا خون نہ بہایا گیا ہوتا، لیکن اس مرد مجاہد کو اپنی کمال بصیرت و عظیم اولوالعزمی کے لائق معاونین نہ ملے، اور جو معاونین تھے انہوں نے اپنی عظمت وطن کی راہ میں اخلاص و دردمندی اختیار کرنے میں کوتاہی کی، اور ملک کا درخشاں بننے والا مستقبل تاریک بنادیا۔

سلطان ٹیپو شہیدؒ کی یہ بصیرت تھی کہ انہوں نے برطانوی سامراج کی وہ چیرہ دستیاں اور مشرقی ملکوں کی دولت وحکومت پر قابض ہونے کی کوششیں جو ان ملکوں پر اس کا اقتدار قائم ہونے سے پیش آنے والی تھیں اس کے اقتدار کے قائم ہونے سے قبل ہی ان کا اندازہ کرلیا تھا اور اپنی ہم وطن اور ہم مذہب طاقتوں کو اس خطرہ سے آگاہ کردیا تھا، اور

دنیا کے کسی بھی عظیم مدبر کی یہی کامیاب صفت ہوتی ہے کہ وہ صرف زمانۂ حال تک اپنی فہم وبصیرت کو محدود نہ رکھے، بلکہ اپنی نظر کو مستقبل کے عہد تک پہنچائے، اور پھر اپنی اس بصیرت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کے لئے ضروری تیاری کرے، اور جو ممکنہ ذرائع واسباب اس کے بس میں ہوں ان کو اختیار کرے۔ اس مرحلہ تک پہنچنے پر اولوالعزمی کی ضرورت ہوتی ہے، ہمارے بطل مجاہد میں یہ صفت بھی بدرجۂ اتم پائی جاتی تھی، ہم کو اس بطل عظیم کی تدابیر نظم ودفاع میں ایسی تدابیر ووسائل ملتے ہیں جن کا وجود مغربی طاقتوں کے جدید تمدنی برتری کے عہد میں ہوا راکٹ جیسے ذرائع حرب ودفاع کی موجودگی کو دنیا نے پہلی بار سلطان کے حربی آلات میں شامل پایا، جس کو ایک تصویر میں اقوام متحدہ کے مرکز میں آویزاں دیکھا گیا ہے۔

امن اور جنگ دونوں حالات کے لئے ان کے موزوں انتظامات جو سلطان کے عہد کے لحاظ سے قبل از وقت معلوم ہوتے ہیں، سلطان کی زیر عمل کوششوں اور تیاریوں میں پائے جاتے ہیں، ان کو دیکھتے ہوئے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ متعدد قریبی معاونین کے دھوکہ دیدینے سے اگر سلطان کو سابقہ نہ پڑ جاتا تو ان کے دشمن کو اس خطہ میں قدم جمانے کا موقع نہ ملتا، اور اس کے نتیجہ میں اس وسیع ملک ہندوستان کو برطانوی سامراج کی چیرہ دستیوں کا باقاعدہ شکار ہونا نہ پڑتا۔

برطانوی دماغ اپنی عددی اور وسائلی کمی کو محسوس کرتے ہوئے ہندوستان کے اقتدار کی پراگندہ اکائیوں کے درمیان اختلاف بڑھانے اور ایک دوسرے کو لڑانے کو جنگ کی بہترین حکمت عملی سمجھتا تھا، اس کے لئے وہ خوف ولالچ کے دو ذریعوں کو پورے تدبر و حکمت عملی سے اختیار کرتا تھا، اور ان ہی دو ذریعوں سے اس نے اس ملک کو تھوڑا تھوڑا کر کے پورا اپنے اقتدار میں لے لیا، یہی دو ذریعے تھے کہ ملک کی مرکزی حکومت کے حدود کو اپنے ارد گرد کے علاقوں کے تعلق سے محروم کر کے دلی تا پالم محدود کر دیا، اور پھر اپنی آخری ضرب میں اس کو بھی ختم کر دیا۔

سلطان ٹیپو شہیدؒ نے دشمن کی اس حکمت عملی کو پہلے ہی محسوس کرتے ہوئے اپنی پوری طاقت اس بڑھتے ہوئے حملہ کو روکنے بلکہ توڑنے کے لئے صرف کر دی، اور اپنے ارد گرد کے حکمرانوں اور مسلم حکومتوں کو اس دشمن کی طرف متوجہ کیا، افغانستان سے ترکی تک کے حکمرانوں سے رابطہ قائم کیا، اور سب کو مل کر خطرہ کا مقابلہ کرنے کی طرف توجہ دلائی، اور خود اپنی پوری طاقت دشمن کے مقابلہ پر لگا دی، اور جب اپنوں کی بے وفائی کے اثر سے شکست کا انجام سامنے دیکھا، اور اس صورت حال میں اپنے سامنے خوف ولالچ کا ذریعہ بطور ذریعۂ نجات دیکھا تو اس سے فائدہ اٹھانے کو انہوں نے ناجائز سمجھا، اور اولوالعزمی کا

وہ تاریخی شاندار جملہ کہا کہ "شیر کی زندگی کا ایک دن گیدڑ کی صد سالہ زندگی سے بہتر ہے"، اور اپنی جان جاں آفریں کو پیش کردی۔ اور بیرونی سامراج کے سامنے سر جھکانے سے اپنے کو محفوظ رکھا، اور رہتی دنیا تک ایک مثال قائم کردی، بصورت دیگر سلطان کو ناز ونعمت کی زندگی گزارنے کا موقع تو حاصل ہو جاتا، لیکن عزیمت اور حق کے لئے قربانی کی یہ مثال سامنے نہ آتی۔

سلطان ٹیپو شہیدؒ کی عزیمت کی پیکر شخصیت اور ان کے نظم و انتظام جنگ اور ان کی حکومت واقتدار کی اہمیت کا پورا جائزہ ان کے سلسلہ میں نقل کئے جانے والے دو جملوں سے پوری طرح سامنے آجاتا ہے، ایک تو جنگ میں ان کے بالآخر شہید ہو جانے کا علم ہونے پر انگریز جنرل کا یہ جملہ کہ "آج سے ہندوستان ہمارا ہے"، یہ جملہ بڑا معنی خیز ہے، اور حالات اور توقعات کی پوری تصویر کشی کرتا ہے کہ اس واقعہ سے قبل برطانوی سامراج نے اگرچہ مشرقی ہندوستان اور دیگر متعدد علاقوں پر اپنا قبضہ جمالیا تھا، اور اس کے قدم برابر آگے بڑھ رہے تھے لیکن وہ ہندوستان پر اپنا قابل اعتماد اقتدار حاصل ہونے میں بہت بڑی رکاوٹ سلطان ٹیپو شہید کو محسوس کر رہا تھا، اور اس کو اپنی صحیح کامیابی کی امید نہیں تھی جو سلطان کے شہید ہو جانے پر ہوئی۔ سلطان کے علاوہ کوئی دوسرا مجاہد بطل برطانوی اقتدار کے سامنے ایسا نہ تھا کہ وہ برطانوی

اقتدار کے آگے بڑھنے اور پورے ملک کو سرنگوں کرنے میں مانع بن سکتا تھا، ورنہ وہ صرف سلطان کی شہادت پر یہ جملہ نہ کہتا، بلکہ یہ کہتا کہ ہم نے فتح کی ایک کٹھن منزل طے کرلی ہے، فتح کی بقیہ منزلیں بھی ہم طے کریں گے۔ اس نے سلطان کی شہادت پر اعتماد سے یہ کہا کہ " آج سے ہندوستان ہمارا ہے"، حالانکہ ابھی ملک کے متعدد علاقے اس کے اقتدار سے باہر تھے، لیکن برطانوی طاقت کو سلطان کے علاوہ کسی میں یہ دم محسوس نہیں ہوتا تھا کہ وہ اس کی فتح کے آگے بڑھنے میں صحیح رکاوٹ بن سکتا ہے۔

برطانوی جنرل کے اس جملہ سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ سلطان نے برطانوی طاقت سے نبرد آزما ہونے کے لئے ضرورت کے مطابق اور پورے تدبر و حکمت کے ساتھ مناسب تیاری کر رکھی تھی جو دوسری ملکی طاقتوں کے پاس نہیں تھی، کیونکہ فتح و شکست محض ایک شخص یا چند اشخاص کے زور بازو کے اثر سے نہیں ہوتی، بلکہ اس کے لئے تدبر و حکمت اور جنگ کے بہتر سے بہتر وسائل کے ذریعہ ہوتی ہے، جس کا اس برطانوی جنرل کو علم تھا کہ مدبر و اولوالعزم قائد کے باقی نہ رہنے پر وہ تیاریاں اور وسائل جو خود اس کی تدبیر سے ہوتے ہیں اس کے بعد کوئی خاص کردار انجام نہیں دے سکتے۔ اس طرح صاف عیاں ہوجاتا ہے کہ سلطان نے حرب و دفاع کے لئے کیا کیا انتظامات اختیار کئے ہوں گے

اور کیا کیا وسائل تیار کیے ہوں گے، اور اس کی مثال راکٹ کا ایجاد کر لینا ہے جو اس عہد کے لحاظ سے غیر معمولی تدبیر و ذریعہ تھا۔

دوسرا جملہ جو سلطان کی عزیمت اور ناقابل شکست ہمت کی علامت بنا، اور جو کسی بھی قائد کے اعلیٰ ترین سطح پر ہونے کی دلیل ہے، وہ ہے: ''شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی صد سالہ زندگی سے بہتر ہے''، اور پھر اس قول کو عمل میں لا کر دکھا دینا ہے کہ بلند عزیمت و ہمت کا قائد کا یہ مقام ہوتا ہے، اور اگر غور کیا جائے تو اس جملہ کی روح اس مجاہد بطل کی قائدانہ زندگی کے تمام معاملات میں جاری و ساری رہی، اور ایک طرف اس کی طاقت و حکومت کو مضبوط سے مضبوط تر بناتی رہی، اور دوسری طرف اپنے ملک کے باشندوں کی نظر میں اس کو بلند سے بلند مقام عطا کرتی رہی، چنانچہ آج تک اس کے علاقہ کے باشندے اس کی عظمت کے گُن گاتے ہیں۔

اس جملہ کے اندر عزم و حوصلہ کے جو معانی پنہاں ہیں وہ سلطان کی زندگی میں اس کے تمام پُرعزیمت کاموں میں اس کے رہنما رہے، کسی بھی ذمہ دار حکمراں کی عزیمت و حکمت سے آراستہ حکمرانی جس میں تمام رعایا کا بفرق مراتب خیال، اور ان کے امن و راحت کی فکر، ان کے ساتھ عدل و انصاف کا برتاؤ، اور ملکی حالات اور ضروریات کو بہتر بنانے کی طرف توجہ اور ذاتی معاملات پر ملک و قوم کے مفادات

کو ترجیح دینا اور اخلاق و کردار کے اعلیٰ معیار کو اختیار کرنا، اور ان تمام امور میں ایک جرأت منداور شجاع قائد کی خصوصیات اختیار کرنا، ملک کی متنوع ضرورتوں کے لئے ان کے لائق نظم وانتظام کرنا،علم کی ترقی و علماء پروری اور سیاسی و حربی معاملات کے ساتھ سماجی اور اخلاقی معاملات پر بھی پوری نظر اور اس کے لئے ضروری نظم۔ یہ وہ مختلف گوشے ہیں جو پُر عزیمت اور حوصلہ مند شخصیت میں خود بخود جمع ہوجاتے ہیں،اور صاحب عزیمت اور صاحب حوصلہ شخص ان کو پورا کرتا ہے۔

سلطان ٹیپو نے برطانوی سامراج کے متعلق چیرہ دستی اور ملک گیری کا جو اندازہ کیا تھا اس کو ان کے بعد کی تاریخ نے صحیح ثابت کردیا، ہندوستان پر قبضہ کرنے کے ساتھ برطانوی سامراج نے اپنی ملک گیری کو پھیلاتے ہوئے ایشیا کے مشرقی حصہ سے شمالی افریقہ کے علاقے تک مختلف خطوں پر اپنا اقتدار جمالیا، یہ سب عموماً مسلم ممالک تھے،شمالی افریقہ میں مصر وسوڈان پر بھی اپنا قبضہ قائم کرتے ہوئے ترکی کو جو اس کا ہمدرد رہا تھا اس کے ماتحت مختلف علاقوں کو بغاوت پر اکسا کر ترکی کو چھوٹا اور محدود ملک بننے تک پہنچادیا، فلسطین میں اسرائیل کے قدم جمانے کی تدبیر کی ،اور ترکی کی قوم کو اسلام سے دور کرنے پر اس کے قائد کو مائل کیا جس کے نتیجہ میں ترکی جو اسلامی وحدت وطاقت کا مرکز تھا، اور اس کے اقتدار کا امین تھا اسلامی اقدار سے بھی منحرف

بن گیا تھا۔ اور اس طرح ٹیپو شہیدؒ نے جو خطرہ محسوس کیا تھا وہ صحیح ثابت ہوا۔

ٹیپو سلطان کی عظیم شخصیت اپنے عہد میں چھوٹی پہاڑیوں کے درمیان ایک اونچے پہاڑ کی حیثیت رکھتی تھی، اس کے حالات اور کردار کے مطالعہ سے کسی بھی صاحب عزیمت حاکم کو اعلیٰ رہنمائی ملتی ہے، اور اس جیسی شخصیت کے لئے احترام وقدر کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے کارناموں کو قبول فرمائے اور اپنے قرب میں اعلیٰ جگہ عطا فرمائے۔

گنج شہیداں

مولانا ظفر علی خاں کا ملت اسلامیہ کی طرف سے
سلطان ٹیپو شہیدؒ کو خراج عقیدت

اے سری رنگا پٹم! اے گنج شہیدانِ کرم
آخری وقت میں اسلام کی غیرت کی نمود

تیری آنکھوں میں ہے اپنوں کا عروج اور زوال
تو نے دیکھا ہے پرایوں کا ہبوط اور صعود

کام میں لا نہ سکی تھی جسے خاکِ دہلی
تیرے ذروں نے بچھادی وہ حجازی بارود

کشورِ ہند کا رنگ اور ہی ہوتا کچھ آج
مکر کا دام بچھاتا نہ اگر چرخ کبود

سو رہا ہے تیرے پہلو میں وہ میسور کا شیر
مایۂ ناز تھا ملت کے لئے جس کا وجود

قوت بازوئے اسلام تھی اس کی صولت
اس کی دولت کے دعا گووں میں شامل تھے ہنود
کہیں سوتے میں نہ کروٹ یہ مجاہد بدلے
اب بھی اس خوف سے ہیں لرزہ براندام حسود
اس کے اٹھتے ہی مسلمانوں کا گھر بیٹھ گیا
تھا قیامت کا قیام اور قیامت کا قعود
آخری قول یہ اس کا نہ ہمیں بھولے گا
جس سے قائم ہوئیں آئین حمیت کی حدود
شیر اچھا ہے جسے مہلت یک روزہ ملی
یا وہ گیدڑ جسے بخشا گیا صد سالہ خلود
دل حسرت زدہ میرا بھی گیا ساتھ جب آج
اس کی مرقد پہ گئے یاس و تمنا کے وفود
پھر گئی آنکھ میں فردوسِ بریں کی تصویر
ظل ممدود میں تھا جلوہ سدر مخضود
اس کی دہلیز سے لپٹی ہوئی تھی رحمت حق

چومتے تھے جسے جھک جھک کے ملائک کے جنود
آئی گنبد سے ندا اے کہ تیری پیشانی
رات دن درگہ دادار پہ ہے وقف سجود
برسر تربت من چوں گذری ہمت خواہ
کہ زیارت، گہ رندان جہاں خواہد بود
میں نے کی عرض کہ اے فطرت آزاد کی روح
توڑنی جس نے سکھائی ہیں غلامی کی قیود
برزمینے کہ نشان تو کف پائے بود
سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

سلطان ٹیپو شہید سے متعلق اہم مراجع و مآخذ

کتابوں کی ایک وقیع فہرست جو مؤرخ اسلام وادیب شہیر مولانا غلام رسول مہر کے قلم سے ہے اور دائرۃ المعارف الاسلامیہ (اردو) لاہور سے ماخوذ ہے۔

(۱) حسین علی خان کرمانی: نشان حیدری، (فارسی)، معروف بہ تاریخ ٹیپو سلطان، بمبئی ۱۳۰۷ھ/۱۸۹۰ء، ضخامت ۴۰۰ صفحات (دوسری کتابوں پر اس کی برتری کا خاص پہلو یہ ہے کہ مصنف نے حیدر علی خان اور ٹیپو سلطان دونوں کو دیکھا تھا)

(۲) غلام محمد ابن ٹیپو سلطان: کارنامۂ حیدری، (فارسی) (یا سیر سروری مآثر صفدری یا تواریخ گزیدہ ا = ۱۸۴۸ء) اس کتاب میں انگریزی، فارسی اور ہندوستانی روایات جمع کردی گئی ہیں۔ طبع کلکتہ ۱۸۴۸ء، تقریباً ایک ہزار صفحات۔

(۳) تاریخ حمید خان، (فارسی) مصنف کارنوالس کے پرائیویٹ سکریٹری کا میر منشی تھا، ۹۱-۱۷۹۲ء کی مہم میں گورنر جنرل کے ساتھ تھا اور اس جنگ کے مفصل حالات لکھے (مخطوطہ کتب خانہ بانکی پور پٹنہ)

(۴) حسین خان لوہانی: تاریخ کورگ، (فارسی)، مخطوطہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال (مصنف کا رجحان ٹیپو سلطان کے خلاف ہے)۔

(۵) سلطان التواریخ، (فارسی)، ایک مخطوطہ انڈیا آفس میں ہے اور ایک گورنمنٹ

اورینٹل لائبریری مدراس میں (مصنف کا رجحان ٹیپو سلطان کے خلاف ہے)۔

(٦) تاریخ خدادادی، (فارسی)، انڈیا آفس کا مخطوطہ اول و آخر ناقص۔

(٧) تاریخ ٹیپو سلطان (فارسی)، انڈیا آفس لائبریری کا مخطوطہ۔

(٨) وقائع منازل روم، (فارسی) روزنامچہ غلام علی خان، مصنف کو ایک وفد کے ساتھ قسطنطنیہ بھیجا گیا تھا۔ (طبع ١٧٨٦ء)

(٩) زین العابدین شسشتری: فتح المجاہدین، (فارسی) نسخہ کتابخانہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال عدد ١٦٦٩۔

(١٠) میر عالم شسشتری حدیقۃ العالم (فارسی)، انگریزوں نے مصنف کی خدمات خصوصی کے عوض اس کے لئے چوبیس ہزار روپئے وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔ دو جلدیں۔ آخری جلد سرنگاپٹم کے سقوط (١٧٩٩ء) پر ختم ہوتی ہے۔ طبع ١٨٥٠ء۔

(١١) سید امجد علی اشہری: سوانح حیدر علی سلطان (اردو) امرتسر ١٩٢٠ء،

(١٢) ، ، : ٹیپو سلطان، (اردو) امرتسر ١٩١١ء

(١٣) محمود خان محمود بنگلوری: تاریخ سلطنت خداداد (اردو) بنگلور ١٩٣٤ء

(١٤) حیدر نامہ (کنڑی) میسور آرکیالوجیکل رپورٹ، طبع ١٩٣٠ء

(١٥) An Account of the Campaign in Mysore (1799): Allan طبع کلکتہ ١٩١٢ء۔

(١٦) A Narrative of the sufferings of : J. Bristow James Bristow, Written by Himself طبع کلکتہ ١٧٩٢ء۔

(١٧) A view of the Origin and Conduct of: A.Beatson the War with Tipoo Sultan طبع لندن ١٨٠٠ء۔

(١٨) A Narrative of the Campaign in :Major Dirom

India which terminated the war with Tipoo Sultan in1792

طبع لندن ۱۷۹۴ء۔

(۱۹) The Mysorean Revnue Regulations :B. Crisp طبع کلکتہ ۱۷۹۲ء

(۲۰) A sketch of the war Tippoo Sultan, : R.Mackenzie

دو جلدیں، کلکتہ ۱۷۹۳-۱۷۹۴ء

(۲۱) Extracts from Captain Mackenzie's work, طبع ۱۸۹۴ء

(۲۲) A Narrative of the Operation of Captain Little's: E Moor

Detachment , and of the Mahratta Army Commanded by

Purseram Bhow, طبع لنڈن ۱۷۹۴ء (اس میں بعض نادر تصویریں ہیں)

(۲۳) A Narrative of the Military Operation on: I. Munro

the Coromandel Coast, 1780-1784

طبع لندن ۱۷۸۹ء (اس کتاب کے ساتھ نہایت عمدہ نقشے ہیں)

(۲۴) Memories of Hyder and Tippoo:Ramchandra punganuri

ترجمہ براؤن CP Brown طبع مدراس ۱۸۴۹ء

(۲۵) The Captivity suffering and Escape of: J scurry

James scurry written byHimself, طبع لندن ۱۸۲۴ء

(۲۶) Selections from the state papers Preserved in : Forrest

the Bombay Secretariat, ج ۱-۲ طبع ۱۸۸۵ء-۱۸۸۷ء

(۲۷) The life of Sir Thomas Munro :G.R. Glieg

جلد ۱-۲ طبع لندن ۱۸۳۰ء

(۲۸) Select Letters of Tipu Sultan:W. Kirkpatrich

طبع لندن ۱۸۱۱ء

Poona Residency Correspondence(۲۹) جلد ۲، ۶، ۸،

طبع بمبئی ۱۹۳۶-۱۹۴۳ء

The Nabobs of Madras :H.H Dodwell(۳۰)

طبع لندن ۱۹۲۶ء

History of British Army :J.W Fortescue (۳۱)

جلد ۳ طبع لندن ۱۹۱۱ء جلد ۴ حصہ ۲ طبع لندن ۱۹۱۵ء

History of British India : J.Mill (۳۲) طبع ولسن H.H. Wilson جلد

۳ تا ۶ طبع لندن ۱۸۴۸ء

Haider Ali :N.K. Sinha(۳۳) جلد ا کلکتہ ۱۹۴۱ء مکمل طبع دوم ۱۹۴۹ء

: M.Wilks(۳۴)

Historicalsketches of the south of India in an Attemp to

trace the History of Mysore

طبع M.Hammick دو جلدیں، میسور ۱۹۳۰ء

History of Hyder Ali Khan:M.M.D.L.T. (۳۵)(یہ کتاب فرانسیسی

میں لکھی گئی تھی اس کا انگریزی ترجمہ ۱۷۸۲ء میں شائع ہوا پھر ۱۸۵۶ء میں ایک طباعت شائع ہوئی

جس میں ٹیپو سلطان کے حالات بھی شامل کر دیئے گئے)

: wood(۳۶)

A Review of the Virgin Progress and Result of the late

Decisive war in Mysore طبع ۱۸۰۰ء (ابتدا میں ۳۳ صفحہ کا ایک خط ہے جس میں

جنگ کی سرسری کیفیت بتائی گئی ہے پھر ۱۳۷ صفحے ہیں جن میں بہت سی قیمتی دستاویزیں اکھٹی ہیں

مثلاً زمان شاہ درانی کے حالات، فرانس سے سلطان کی خط و کتابت، سفارت قسطنطنیہ کے حالات وغیرہ

(۳۷) Muhibbul Hasan Khan:

History of Tipoo Sultan Khan کلکتہ ڈھاکہ طبع ۱۹۵۱ء

(۳۸) Oakes: An authnetic Narritive of the Treatment of the English who were taken Prisoners on the reduction of Bednore by Tippoo sahib طبع لندن ۱۷۸۵ء

(۳۹) C.H. Philips: The East India company 1784.1834. طبع مانچسٹر ۱۹۴۰ء

(۴۰) R.M. Martin: Despatches, etc , of the Marquis wellesley جلد اول طبع لندن ۱۸۳۶ء

(۴۱) A.W.Davrenge: Captives of Tipu Sultan طبع لندن ۱۹۲۹ء علاوہ بریں آرکائیوز آف انڈیا اور دوسرے غیر مطبوعہ ریکارڈز (سجلات) اور مختلف مجموعہ ہائے معلومات Secret Proceedings , Millatry Sundry Book 1780-1799 وغیرہ (اور Stewart: Cat, of the Or.Lib:of Tipoo Sultan طبع کیمبرج ۱۸۰۹ء، ۴۳ تا ۹۳ بر سوانح حیات۔)

ضرورت تھی کہ اس فہرست میں جو دائرۃ المعارف الاسلامیہ (پنجاب یونیورسٹی لاہور) سے ماخوذ ہے اضافہ کیا جاتا اس لئے کہ کئی اہم کتابیں مزید اس موضوع پر قریبی عرصہ میں سامنے آچکی ہیں جن میں ایک کتاب جناب بی علی شیخ صاحب (حال مدیر اعلیٰ روزنامہ "سالار" بنگلور ورکن اساسی دار الامور گنجام میسور) کی "ٹیپو سلطان" ہے اور انھیں کی دوسری کتاب انگریزی میں British Relations with

Hyder Ali ہے۔ پروفیسر عبدالمغنی کی کتاب ''ٹیپو سلطان'' گرچہ مختصر ہے مگر ''بقامت کہتر بقیمت بہتر'' کا مصداق ہے۔ مشہور ہندو مؤرخ ڈاکٹر بشمبھر ناتھ پانڈے سابق گورنر اڑیسہ کا ذکر بھی ضروری ہے کہ جنھوں نے Aurang zeb & Tipu Sultan لکھ کران پر کئے جانے والے اعتراضات کا اچھا جواب دیا ہے، یہ کتاب انسٹی ٹیوٹ آف آبجکٹیو اسٹڈیز کے زیر اہتمام نئی دہلی سے شائع ہوئی اس سلسلہ میں مولانا محمد الیاس ندوی بھٹکلی کی سیرت سلطان ٹیپو شہید بھی اہمیت کی حامل ہے جس میں ان کی سیرت کے بعض نئے گوشے سامنے لائے گئے ہیں۔ اس کتاب کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایماء پر تصنیف کی گئی ہے اور ان کے مقدمہ سے مزین ہے، یہ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ سے شائع ہوئی بعد میں اس کا انگریزی ایڈیشن Tipu Sutan کے نام سے انسٹی ٹیوٹ آف آبجکٹیو اسٹڈیز جامعہ نگرنئی دہلی نے معیاری طباعت کے ساتھ شائع کیا۔ (مرتب)